UNIVERSAL
LIBRARY
OU_222042
UNIVERSAL
LIBRARY

OUP—552—7-7-66—10,000

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. ٨٩١٥ح٣ل Accession No. U .1103

Author سید محمد حسن ادیب

Title [illegible]

This book should be returned on or before the date last marked below.

بحول اللہ وقوتہ

حکایات امجد

نوشتہ

سید احمد حسین امجد صاحب رباعیات

مطبوعہ

اعظم اسٹیم پریس چارمینار حیدرآباد دکن

قیمت ——— عہ ۴/

انتساب

اِنّا لِلّٰہ

ہے جسم کی خوبی دلِ آگاہ کے ساتھ تکلیفِ سفر نہیں ہے، ہمراہ کے ساتھ
نسبت سے اسے نجس بھی پاک ہو جاتا ہے اِنّا میں گنہ نہیں ہے لِلّٰہ کے ساتھ

ابتک ہماری بہت سی کتابیں شائع ہوئیں، لیکن کسی تصنیف کو کسی بڑے یا چھوٹے نام سے منسوب کرنیکی توفیق نہ ہوئی اب، اس تصنیف کو منسوب بھی کرتا ہوں تو ایک ایسے دوست، مغز بے پوست، برادر عزیز کے نام، جو میرا ہی ہمنام (احمد حسین) ہے۔ جسکی تحریک چند حکایات، متعلقہ "نسواں" لکھنے کا سبب ہوئی۔

اے چشم نگر، نور مجرد آمد اے گوش، شنو، کہ صوت سرمد آمد
غیر تو کہ آید بہ نہاں خانہ جمع امجد! بکشا درے، کہ امجد آمد

۲۔ اسکی طباعت — میری عزیزہ اور دینی بہن حفیظہ جمال (بنت مولوی محمد عبدالرؤف صاحب) کی رہین منت ہے، جس کا ذوق علم و ادب ان حکایات کی جلد اشاعت کا باعث ہوا جزاہا اللہ خیرا

اس جلدی میں، ان حکایات کی باب واری ترتیب نہ ہو سکی

پریشان حال، ہر مضمون و منطوق چو فکر عاشق و گیسوے معشوق
بمعنی نوری، و در صورت اسود ز یکرو امجد، از یکروے ابجد

احباب پوچھتے ہیں، حکایات امجد کیسی ہیں؟ کیا کہوں کہ کیسی ہیں،

سب کا یہی دعوے ہے، کہ میں بھی کچھ ہوں ہر اک یہ سمجھتا ہے کہ، میں بھی کچھ ہوں
میں آپ کو کمترین ہی کیوں نہ کہوں اس کا بھی یہ منشا ہے کہ میں بھی کچھ ہوں

گیسو میں ہے بل، کہ میرے خم کو دیکھو رخ ہنستا ہے، کہ اس ستم کو دیکھو
اظہار کمال میں، ہر اک کامل ہے سب کی یہی خواہش ہے کہ ہم کو دیکھو

امجد۔ یکم محرم الحرام ۱۳۵۳ھ
درویش منزل

فہرست حکایات امجد

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
عجیب لڑکی	۱	جبر و اختیار	۳۱
جلوے کا گیت	۳	تبسم	۳۵
عائشہ	۵	ہمدرد پڑوسن	۳۵
شب عروسی یا جلوے کی رات	۱۰	نتیجۂ خود پسندی	۳۹
میرے زیور	۱۴	طالب خدا	۴۱
مانگے کا گہنا	۱۶	ایک کے ہوکر دیکھو	۴۶
دیہاتی لڑکی	۱۸	گھر وہاں سکونت یہاں	۵۰
میرا دیوتا	۲۰	غت ربود	۵۱
قیاس مع الفارق	۲۳	بلند اقبال	۵۳
ثبوت زندگی	۲۴	بڑی بیگم	۵۷
اِدھر یا اُدھر	۲۵	ننھی نادان	۵۸
غیرتیت	۲۶	داڑھی	۶۰
ہمارا حسب نسب	۲۸	حاضر غائب	۶۱
بچو، بچو،	۲۹	گستاخ فقیر	۶۲

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
وجہ تکلیف	۶۴	منحوس گھونس	۸۵
خیال باطل	۶۵	زندگی و بندگی	۸۹
بندگی بیچارگی	۶۶	لالٹین	۹۰
ہمت مردانہ	۶۷	ہم اور دھوبی	۹۲
عبد اعظم	۶۹	رات کی رانی	۹۴
الحمد للہ	۷۰	ماخذ تصوف	۹۶
لینا دینا	۷۱	علمی اور چلمی	۹۷
زلزلہ	۷۲	موت کا پیام امجد کے نام	۹۹
عجیب گھڑی	۷۳	بینا اندھے	۱۰۳
وجہ نماز	۷۷	نیک گناہ گار	۱۰۴
پُرفن دھوبن	۷۸	فنا فی البقاء	۱۰۷
میں اور مے	۸۰	چاول کی بوری	۱۱۷
اصحاب الفیل	۸۳	آخری کہانی	۱۱۸

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عجیب لڑکی

فاطمہ، بھائی ابراہیم! آخر عائشہ کو کب تک بٹھا رکھو گے، اسکی شادی بیاہ کا بھی تم کو کچھ فکر ہے کہ نہیں؟ کیا اس کی ماں مر جانیسے تمھاری محبت کو بھی موت آگئی۔

ابراہیم، فکر کیوں نہیں؟ ہے اور بہت فکر ہے صرف لڑکی کا بیاہ ہی ہوتا تو کوئی مشکل بات نہ تھی، مگر یہاں تو بیاہ کے ساتھ ساتھ بہت کچھ اپنی تباہی کا سامان بھی کرنا پڑتا ہے۔

معمولی سامان تو تیار ہی ہے، مگر بتاؤ تو کہ زیور کیلئے روپیہ کہاں سے لاؤں؟ اگرچہ لڑکی کی قسمت سے ایک ایسا شخص مل گیا ہے جو کسی شئے کا مطالبہ نہیں کرتا، لیکن ہم کو

بھی کچھ شرم لاج ہے کہ نہیں ؟ مانا کہ دولھا کچھ نہیں کہیگا مگر لڑکی اپنے جی میں کیا کہیگی ؟

بھائی بہن کی یہ گفتگو عائشہ پردے کے پیچھے کھڑی سن رہی تھی، باپ کے منہ سے " لڑکی کیا کہیگی " کی آواز سنکر۔ کہہ اٹھی میں کچھ نہ کہونگی، پیارے ابّا تم مجھے زیور نہ دو۔

پیارے ابّا تم مجھے زیور نہ دو — غم سے فارغ سر کو دردِ سر نہ دو
پیارے ابا ! میری سنتے ہو اگر — بے تکلّف بھیجدو شوہر کے گھر
سادگی میں حسن کی تعریف ہے — زیور و زر موجبِ تکلیف ہے
کیا سنوں گی ان کی اس جھنکار میں — فرق آجائیگا اس سے پیار میں

پیارے ابا ! تم مجھے زیور نہ دو

میں یہیں سے گر سنورتی جاؤنگی — ان کو پھر خاطر میں کیونکر لاؤنگی
زیوروں میں خودسری مستور ہے — مجھ کو تو ان کی خوشی منظور ہے
جامۂ اصلی ہی میں، میں جاؤنگی — ہاتھ خالی جاکے واں کچھ پاؤنگی

(راوی) اب تو مجھ کو میرا تن بھی آڑ ہے — وصل میں، اک پیرہن بھی آڑ ہے

پیارے ابا ! تم مجھے زیور نہ دو

(راوی) ہر چیز کا کھونا بھی بڑی دولت ہے — آرام سے سونا بھی بڑی دولت ہے
افلاس نے سخت موت آساں کر دی — دولت کا نہ ہونا بھی، بڑی دولت ہے

ورحمت ربک خیر مما یجمعون (رباعیات امجد)

جمع کرنے کی چیزوں میں سب سے بہتر چیز رحمت آلہی ہے۔

اور سے ملنے کو نہیں چاہتا تھا۔ جس گھر میں اُس نے اپنی عُمر کے پندرہ سال ختم کئے تھے اب اُس گھر کے نام سے کانوں پر ہاتھ رکھتی تھی اب شوہر اور صرف موصوف الصدر شوہر کے سوا اس کی نگاہوں میں کوئی سماتا ہی نہ تھا۔

بعض بعض وقت تنہائی میں اپنا خود ساختہ قطعہ ذیل گایا کرتی تھی

اپنے حریمِ دل میں اِک بت بٹھا لیا ہے تسکین بھی ہے اِسی سے، آرام بھی اِسی سے
صاحب کی شکل میں ہے شمس و قمر کا جلوہ ہے صبح بھی اِسی سے، اور شام بھی اِسی سے

عائشہ کی اس کایا پلٹ سے ساری دنیا پلٹ گئی، مگر عائشہ ٹس سے مس نہ ہوئی اِس کی مثال بالکل اُن جادوگروں کی تھی جنہوں نے فرعون کے حکم سے ابتداءً حضرت موسیٰؑ سے مُقابلہ کیا تھا مگر جب عصائے موسوی نے ان تمام جادوگروں کے ہر سحر کو باطل کردیا تو فوراً اٰمَنَّا بِرَبِّ مُوْسٰی وَھٰرُوْنَ (ہم موسیٰؑ اور ہارون کے رب پر ایمان لائے) کہتے ہوئے سجدے میں گر پڑے۔ جب فرعون نے اُن جادوگروں سے کہا کہ تم بغیر میرے حکم کے کیوں ایمان لائے؟ اِس جرم کی پاداش میں میں تُم سب کو پھانسی پر چڑھا دوں گا۔ تو اِس تہدید کے جواب میں جادوگر کِس ٹھنڈے دِل سے کہتے ہیں لَا ضَیْرَ اِنَّا اِلٰی رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ۝ اوہ کوئی پروا کی بات نہیں ہے تو جو چاہے کر اب ہم تو اپنے رب کی طرف پلٹ گئے ہیں۔ اللہ اکبر کیا ایمان ہے۔

الحاصل عائشہ کی بے مروتی اور کج ادائی سے تمام لوگ انگشت بدنداں تھے۔ یہانتک کہ ایک دفعہ خود شوہر نے اپنی بی بی سے پوچھا

عائشہ! میں سنتاہوں کہ تم بہت مغرور ہوگئی ہو کسی کو خاطر ہی میں نہیں لاتی ہو کسی کو کچھ سمجھتی ہی نہیں ہو۔ کسی سے سیدھے منہ بات ہی نہیں کرتی ہو۔ کیا یہہ واقعات صحیح ہیں؟

عائشہ، ہاں صحیح، اور بالکل صحیح۔ میں مغرور ہوگئی ہوں، اور ضرور مغرور ہوگئی ہوں مگر کس پر؟ تم پر، کس بات پر؟ تمہاری محبت پر۔ فَتَوَکَّلُوْا عَلَی اللّٰہِ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝۔

مجھے تمہاری پرستش یا محبت سے اتنی فرصت ہی نہیں ملتی کہ کسی دوسری طرف متوجہ ہوسکوں۔

نظر اب غیر پر پڑتی نہیں۔ ہے چشم بینا کی رہوں میں طالب مولیٰ یہی مرضی ہے مولیٰ کی
مری آنکھیں تجلی گاہ ہیں اک ذات یکتا کی حقیقت ہی مری آنکھوں میں کیا ہے دین و دنیا کی

کاجل ڈاروں کرکرا، سرمہ دیا نہ جائے
جن نینوں میں پی بسے، دو جا کوں سمائے } ریاض امجد

میرے صاحب! ہر کام کا ایک وقت ہوتا ہے اور ہر وقت کے لئے ایک کام ہوتا ہے۔ میں زمانہ شیرخوارگی میں ننگی کھلی رہتی تھی گہوارے میں جھولتی تھی۔ جھنجھنے بجایا کرتی تھی۔ کھلونوں سے کھیلا کرتی تھی کچھ اور بڑی ہوکر پہلے کھلونوں کو چھوڑ دیا۔ گڑیوں سے جی لگایا۔ دن رات گڑیوں ہی میں الجھی رہی پھر ترقی کرکے گڑیوں کو بھی آگ لگادی

سہیلیوں سے رشتہ جوڑا۔ اب سہیلیوں کے حلقہ سے نکل کر آپ کے قدموں میں آپڑی ہوں۔ اب آپ کے ہوتے اور آپ کی ہوکر دوسری طرف متوجہ ہونا اور اپنے عزیز وقت کو کھونا گویا مسلمان کا ایام جہالت کی طرف عود کرنا ہے۔

اپنے آقا سے کج ادائی توبہ ۔۔۔ نا اہلوں کے در پہ جبہ سائی توبہ
غیروں سے تعلقات ، رب کے ہوکر ۔۔۔ شوہر رکھکر بھی آشنائی توبہ

میرے صاحب ! طے کئے ہوئے راستہ کی طرف پھر پلٹ پڑنا اپنی منزل کھوٹی کرنے کے سوا اور کیا حاصل رکھتا ہے ؟ یہ حالیہ مقام بھی گذشتنی اور گذاشتنی ہے اس رفیق ادنیٰ (یعنی آپ کے توسط) سے ابھی رفیق اعلیٰ تک پہنچنا ہے۔

ہر محفل سے بحال خستہ نکلا ۔۔۔ ہر بزم طرب سے دل شکستہ نکلا
منزل ہی نہیں یہاں مسافر کیلئے ۔۔۔ سمجھا تھا جسے مقام رستہ نکلا

دُنیا مجھ سے راضی رہے یا ناراض رہے۔ میرے صاحب یہ فرمائیے کہ آپ مجھ سے خوش ہیں کہ نہیں۔

شوہر۔ میں ؟ تم مجھسے پوچھتی ہو۔ میں تو جی جان سے تمہارا پروانہ ہوں

عائشہ۔ بس بس۔ اب مجھے اور کیا چاہیئے۔ تمہاری خوشی اور رضامندی کے بعد اب مجھے کسی دوسرے کی رضامندی اور خوشی کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

تم خفا ہوکر چاہے ساری دُنیا مجھسے راضی ہو جاوے پھر بھی میری

زندگی موت سے بدتر ہے۔ بیوی وہی ہے جس سے اِس کا شوہر راضی رہے عام ازیں کہ دوسرے اس سے خوش ہوں یا نہوں۔ بیوی وہ نہیں ہے جس سے ساری دُنیا خوش رہے لیکن اِس کا شوہر اِس سے ناراض رہے۔ میری ساری دُنیا اور میرا مقصود زندگی صرف یہی ہے کہ تم، ہاں ایک تم مجھ سے خوش اور راضی رہو۔ اور بس۔

اللہ بس باقی ہوس

میرے لئے اک تری رضا کافی ہے　　میرے لئے تیرا آسرا کافی ہے
ساری دُنیا سے کیا غرض ہے مجھکو　　بندے کے لئے ایک خدا کافی ہے

جپنا ترا نام پاک، ہے کام مرا　　بیجا نہیں ما سوا سے ابرام مرا
دُنیا کی کسی چیز میں راحت ہی نہیں　　آرام! کہ ہے تجھی سے آرام مرا

شبِ عروسی یا جلوے کی رات

کسی شادی کی تقریب میں چند ایسی نوعمر نیوفیشن لڑکیاں جمع ہوئیں، جنکی شادیاں حال ہی میں ہوئی تھیں شادی کی تقریب میں ذکر شادی کے سوا بہتریں موضوع اور کیا ہوسکتا ہے؟

بیکاری کا مشغلہ یہی طئے پایا کہ ہرایک اپنی اپنی شادی کا واقعہ بلاکم وکاست بیان کرے اِس متفقہ تصفیے کے بعد ہرایک نے

اپنی ہم سن سہیلیوں کے سامنے، نئی روشنی کی روشنی میں اپنی اپنی داستان بیان کی۔

یوں تو ہر بیان دلچسپ تھا، اور ہر داستان رنگین (جنکی تفصیل پھر کبھی کی جائیگی) لیکن اِن سب میں، سب سے کمسن، سب سے خاموش گھُنی عائشہ نے جو اپنی کیفیت بیان کی ہے اُس کو سُنکر ایک کیفیت سی پیدا ہوتی ہے۔ آپ بھی سُن لیجئے۔

میری بہنو! جب میری نسبت ہوئی — کیا بتاؤں دل کی کیا حالت ہوئی
رات دن رونے سے مجھکو کام تھا — آہ و نالہ شغل صبح و شام تھا
چوں خدا خواہد بما یاری کند — میل مارا جانب زاری کند
نیم جاں بستاند و صد جاں دہد — انچہ در وہمت نیاید آں دہد
نام سے شادی کے وحشت ہوگئی — کھانے پینے سے بھی نفرت ہوگئی
میں اُصول معرفت سے بھر گئی — یعنی، موت آنیسے پہلے مرگئی[1]
روح میری خوف سے گھٹتی رہی — زندگانی ضیق میں کٹتی رہی

الغرض وہ دن بھی آخر آگیا — میرے سر پر غم کا بادل چھاگیا
عقد کے دن کا سویرا آگیا — میری آنکھوں میں اندھیرا آگیا
آج گویا ختم راحت ہوگئی — ہوگئی صبح قیامت ہوگئی
دل کے کانٹے چبھنے والا کون تھا — آہ میری سننے والا کون تھا

---

[1] موتوا قبل ان تموتو - ۱۲

غیر کے دامن سے میں باندھی گئی — جان سو سو مرتبہ آ ہی گئی
وُہ مجھے سب سے چھڑا کر لے چلے — لے چلے، سب کو رُلا کر لے چلے

الفراق، اے میری مادر الفراق — الفراق اے جان خواہر الفراق
اے مری دیوار و در تجھ کو سلام — اے مرے بچپن کے گھر تجھ کو سلام
وقت آخر ہے یہی آخر کلام — اے مری ہم جولیو! تم کو سلام

میں نے جب رکھا نئے گھر میں قدم — خوف سے اکھڑا ہوا تھا میرا دم
میں ابھی سنبھلی نہ تھی، وُہ آ گئے — غالباً کچھ میری حالت پا گئے
بولے، ہیں؟ گھبرانے کی کیا بات ہے — آج تو نفی دوئی کی رات ہے
ہاں، نہیں یہ رات رونے کے لئے — ملتے ہیں دُو، ایک ہونے کے لئے
باوفا خادم سے کیوں برہم ہو تم — میرے زخموں کے لئے مرہم ہو تم
اِس شبِ غم میں، ہلال عید ہے — دیکھو، دیکھو، خوف میں اُمید ہے
آن یکے شیرے، کہ آدم می خورد — آن یکے شیرے کہ آدم می خورد

تھی کرامات اُن کی ہر اِک بات میں — دن کی وحشت، مٹ گئی سب رات میں
باتوں ہی باتوں میں جادو کر دیا — ایک ہُو میں سارا غم چھُو کر دیا

اب تو جیتی ہوں، اُنھیں کے نام سے — کٹ رہی ہے زندگی آرام سے

کیا کہوں، اب کس قدر راحت میں ہوں
پیاری بہنو! جیتے جی جنت میں ہوں

درد کے پہلو میں راحت، دیکھئے
بعد دردِ زہ، ولادت، دیکھئے
(راوی)

موت سے بھی اب یوں ہی ڈرتی ہوں میں
نام سے مرنے کے بھی مرتی ہوں میں

کیا عجب، مرنے میں بھی آرام ہو
کیا تعجب ہے، بخیر انجام ہو

کیا عجب، جب بھی ہو یوں ہی انقلاب
اُلٹی اکثر ہوتی ہے تعبیرِ خواب

کیا عجب، اِنکار میں اِقرار ہو
موت بھی وجہ وصالِ یار ہو

اے اجل! اے ساعت عشرت قریں
زندگی کی اے وفائے آخریں!

آ مری جاں! تجھپہ جاں قربان ہے
ایک مدت سے ترا ارمان ہے

جی رہی ہوں صرف اب تیرے لئے
میں ہوں تیری، اور تو میرے لئے

میں جو کچھ ہوں، اور جو میرے پاس ہے
لیلے لیلے تجھ کو سب کچھ راس ہے

آگئی اِک بار تو میرے لئے
پھول ہیں گوندھے ہوئے تیرے لئے

آ، مری آنکھوں میں آنسو بن کر آ
چادرِ گل میں مری بُو بنکر آ،

اب تو میری جان تیرے ساتھ ہے
اب تو میری لاج تیرے ہاتھ ہے

اپنا بیگانہ نہ ہوگا جب کہ ساتھ
لوگ جس کو کہتے ہیں جلوے کی رات

میں، کنول بنکر کھلوں گی رات میں
اپنے مالک سے ملوں گی رات میں

میرے زیور

کسی سے لینا نہ دینا، میں بیچاری، اپنے گھر میں، اپنے معمولی لباس میں، اپنی حالت میں، اپنی دُھن میں بیٹھی ہوئی تھی کہ یکایک ...... ایک بی پڑوسن، مان نہ مان میں تیری مہمان کی شان سے بلاعلم و اطلاع دروازہ کھلا پاکر گھر میں گھس پڑیں۔ میں اُن کی اِس اچانک اور زلزلہ نما آمد سے پہلے تو سہم گئی، پھر کسی قدر سنبھل کر پوچھا، آپ کون ہیں۔ کِس لئے تشریف لائی ہیں؟ کیا کہنا چاہتی ہیں؟ مگر بی پڑوسن کے زیور میں دبے ہوئے گلے سے کوئی آواز ہی نہیں نکلی، بہت دیر تک سر سے پاؤں تک گھور گھور کر دیکھتی رہیں، پھر آخر بہت دیر کے بعد گنبد سے آواز نکلی بھی تو اسطرح ...... واہ واہ کیا کہنے ہیں نام بڑا درشن تھوڑے، اُونچی دوکان پھیکا پکوان، منتظم صاحب کی بیوی، اور ماما کا لباس، سر جھاڑ، منہ پہاڑ، نہ کان میں بالا، نہ گلے میں مالا، نہ ہاتھ میں کنگن، نہ پاؤں میں پازیب، سہاگن ہے کہ ...... بیوی ہے کہ باندی؟ افسوس کِس شوق سے آئی کس مایوسی سے جارہی ہوں۔"

مَیں نے کہا، ابھی آپ جارہے نہیں، جسطرح آئی ہیں، مہربانی سے تھوڑی دیر تشریف رکھئے میرے ہاں بہت سے قیمتی زیور ہیں

مگر آپ کے زیوروں کی طرح نمائیشی اور وزنی نہیں ہیں میں اُن کو اُٹھائے اُٹھائے نہیں پھرتی ہوں، بلکہ وہ مجھے سنبھالے رہتے ہیں لیجئے ملاحظہ کیجئے

دیکھو مرے زیوروں کو دیکھو

ہے میری مسی و پان خموشی ہے میرا لباس، چشم پوشی
ہے گوہر گوش، حق نیوشی دیکھو مرے زیوروں کو دیکھو

سرتاج ہے میرا، میرا شوہر زیور نہیں کوئی اُس سے بڑھ کر
ہے سجدے کا داغ میرا جھومر دیکھو مرے زیوروں کو دیکھو

مصروف بکار و بار رہنا ہاتوں کا مرے یہی ہے گہنا
کچھ آیا سمجھ میں میرا کہنا دیکھو مرے زیوروں کو دیکھو

چلنا ہر وقت راہ سیدھی پازیب ہے میری کیسی اچھی
کیا ہوگی بتاؤ قیمت اس کی دیکھو مرے زیوروں کو دیکھو

دل کی حرکت سنو تو اکبار سو زیوروں کی ہے اسمیں جھنکار
ہر تار نفس ہے میرا زرتار دیکھو مرے زیوروں کو دیکھو

گردن سے قریں ہے حق تعالیٰ اللہ رے مرے گلے کی مالا

کون اس کی ہے قدر کرنیوالا دیکھو مرے زیوروں کو دیکھو

مانگے کا گہنا

کسی کی شادی، کسی کی بربادی، غریب دلاری شامت کی
ماری کو پیاری کی شادی کا نیوتہ آیا یا موت کا پیام کمبخت تین دن پہلے ہی سے بننے سنورنے میں مصروف ہوگئی مانگے تانگے کا زیور و لباس پہن کر، بی دلاری وقت سے پہلے شادی گھر میں جا پہونچیں۔ باوجود اس زر و زیور کے کسی نے دلاری کی طرف خاص توجہ نہیں کی۔ جلوے کا وقت آگیا، دولھا اندر بلایا گیا، دولھا کی رویت تھی، یا سنگ اسود کی تقبیل، ایک دوسرے پر گر رہا ہے سر سے سر ٹکرا رہے ہیں، ہر ایک دولھا کی صورت کا دیوانہ ہوش و حواس سے بیگانہ۔ چلمنیں گر گئی ہیں پردے پھٹ گئے ہیں، دولھا پر چاروں طرف سے نگاہوں کی مار پڑ رہی ہے۔

ایسے رستخیز ہنگامے میں دلاری کی پازیب کی کیل کھل گئی، اور نہیں معلوم ان زلزلہ خیز ٹھوکروں میں کہاں سے کہاں نکل گئی۔

جب جلوے کی گھڑی ختم ہوگئی، قیامت کی گھڑی آئی، یعنی دلاری کی نگاہیں دولھا سے پھر کر اپنے خالی پاؤں پر پڑی دیکھا

پازیب کا پتہ نہیں، دم ہی تو نکل گیا، عین شادی کے گھر میں لگی دو ہتڑ پیٹنے، دم جا رہے کہ آ رہے، مگر پازیب تو آنے والی نہ تھی، گئی اور ایسی گئی جیسے جسم سے جان، غریب دلاری شدتِ غم سے بیہوش ہوگئی۔

اِس کے بعد کیا ہوا اِس کا خلاصہ یہ ہے کہ شوہر کی تنخواہ سے نصف تنخواہ گم شدہ پازیب کی قسط میں جا رہی ہے۔ دیکھئے کب تک ادا ہی ہو۔

توبہ، الٰہی توبہ۔

کیوں میں نے پہنا، مانگے کا گہنا

بیٹھے بٹھائے کیا آفت آ رہی کیسی یہ میری شامت آ رہی
چھائیں گھٹائیں بربادیوں کی شادی کی کیسی دعوت آ رہی

کیوں میں نے پہنا مانگے کا گہنا

گھر بھر ہے اب تو بدخواہ میرا کیا ہوگیا ہے حال، آہ میرا
قسمت سے وہ بھی روٹھے ہوئے ہیں ہے کون اب اے اللہ میرا

کیوں میں نے پہنا مانگے کا گہنا

رونے پہ میرے ہے جگ ہنسائی بگڑے ہوئے ہیں باپ اور بھائی
غیروں کی چیز آہ کیوں میں نے پہنی غارت گئی کو عزت نہ آ رہی

کیوں میں نے پہنا مانگے کا گہنا

چاروں طرف سے ہنستی ہے دُنیا آوازے مجھ پر کستی ہے دُنیا

اب کس سے پوچھوں کانٹے کا منتر جب سانپ بن کر ڈستی ہے دُنیا
کیوں مینے پہنا مانگے کا گہنا
کیا پڑ گئے ہیں، جینے کے لالے دُنیا سے اللہ اب تو اُٹھالے
پازیب گھر میں آنے سے پہلے اے کاش پڑتے پاؤں میں چھالے
کیوں مینے پہنا مانگے کا گہنا

دیہاتی لڑکی

بھولی بھالی دیہاتی لڑکی، پانی لانے کے لئے شام سے کچھ پہلے گگری کمر سے لگائے ندی پر جارہی ہے، کھلا میدان، ٹھنڈی ہوا ہر طرف کھلے ہوئے خود رو پھول، قدم قدم پر دامن نظریں خار کی طرح اُلجھ اُلجھ کر جانے والی کی راہ کھوٹی کر رہے ہیں جب دن بالکل ڈھلنے کے قریب ہو جاتا ہے، گھبرا کر کہہ اُٹھتی ہے۔

اے لو، وہ دن ڈھلا جا رہا ہے وقت شام اب قریب آرہا ہے
وقت ہے، پاؤں جلدی اُٹھاؤں بھرنے گاگر میں جمنا پہ جاؤں

(دو چار قدم چل کر ٹھنڈے وقت کی سحر آفرینی سے پھر مسحور ہو کر اِس طرح گاتی ہے)

ہے فضا شام کی کیا سہانی یا شبِ وصل کی ہے نشانی
نور و ظلمت بہم ہو رہے ہیں راستے والے کم ہو رہے ہیں

کیا خبر، آسمان کیا دکھا دے ــــ کیا خبر، سامنے کون آ رہے
غیر مردوں کا پھیرا نہ ہو جائے ــــ شب سے پہلے اندھیرا نہ ہو جائے

(اندھیرے میں کسی غیر مرد کے مل جانے کے خیال سے
پھر تیز قدمی سے چل کھڑی ہوتی ہے ندی کے قریب پہونچکر پھر
اِس طرح بہک اُٹھتی ہے۔)

موج دریا کو یہ کسکی دُھن ہے ــــ راگ پانی کا کیا مست کُن ہے
شام کلیاں، ہوا گا رہی ہے ــــ بانسری کی صدا آ رہی ہے

دیکھو کشتی میں بیٹھا ہے کوری ــــ یہ تو بے جانا بُوجھا ہے کوری
بانسری اِس کے منھ سے لگی ہے ــــ زیر دبم کی ہوا کیا بندھی ہے
بانسری کیا بجاتا ہے آہا ــــ راگ کیسا سناتا ہے آہا
سُن کے ہر ایک سُن ہو رہا ہے ــــ دُھن میں ہُوش و خرد کھو رہا ہے
وجد میں، عقل کس کی بجا ہے ــــ میں اگر باولی ہوں تو کیا ہے
کان نغمے سے پُر ہو رہے ہیں ــــ بُلبلے پھوٹ کر رو رہے ہیں
ہے کوری شعبدہ گر، کہ ساحر؟ ــــ میں بھی دیکھوں، کہ ہے کون آخر
(میں بھی دیکھوں کہکر آگے بڑھتی ہے پھر جھجک کر کہتی ہے)
غیر محرم سے کیونکر ملوں میں ــــ آنکھیں تلووں سے کیونکر ملوں میں
آرزو دِل کی کیونکر نکالوں ــــ اِس کو کیونکر گلے سے لگالوں

(پھر دو قدم بڑھتی ہے اور غور سے دیکھ کر چلا اُٹھتی ہے)۔

ہائیں ؟ میں خواب میں تو نہیں ہوں غرق گرداب میں تو نہیں ہوں
یہ، کوئی اجنبی تو نہیں ہے یہ، نیا آدمی تو نہیں ہے
جسکی جویا تھی میں، یہ وہی ہے میرے گلشن کا سروِ سہی ہے
اُس طرف جاں مری نیم جاں ہے یہ، مری جستجو میں یہاں ہے
دوست کو غیر سمجھی ہوری تھی کعبے کو دَیر سمجھی ہوری تھی
یہ تو ہے میرا پیارا کنھیا
میری آنکھوں کا تارا کنھیا

میرا دیوتا

میرے دیوتا! میرے ناتھ! میرے پران پیارے! تو کہاں ہے ؟

آ، اپنی داسی کے گلے لگ جا۔

دیوتاؤں کے پجاری اپنے اپنے مندروں میں جاتے ہیں اپنے دیوتاؤں کی صورتیں دیکھتے ہیں، محبت کے گوندھے ہوئے ہاران کو پہناتے ہیں گلے لگاتے ہیں قدموں پر گرتے ہیں؛.....

میں پاپن دور سے کھڑی تماشے دیکھتی ہوں، کلیجہ مسوس مسوس کر رہ جاتی ہوں ..... اے کاش میرا ناتھ بھی کہیں

مِل جاتا، میرا نظر نہ آنے والا بھی کہیں نظر آجاتا، . . . . . تو میں بھی اِسی طرح . . . . . یا اِن سے بھی کہیں زیادہ اپنے دل کی آرزوئیں پوری کرتی۔

دوسرے پجاری مجھے دیکھ دیکھ کر ہنستے ہیں، میرا مضحکہ اُڑاتے ہیں۔

قہقہہ مار کر کہتے ہیں "اری باوری دیکھ، ہمارے دیوتا یہ ہیں۔ بتا تیرا دیوتا کہاں ہے؟

میرے ناتھ! تو ہی بتا، میں اُن کو کیا جواب دوں؟ شرم سے پسینے پسینے ہو جاتی ہوں، بے ساختہ جی بھر آتا ہے، روتے ہوئے آنچل سے اپنا منھ چھپا لیتی ہوں۔ چھیڑنے والے اور چھیڑتے ہیں، میرے رونے پر اُن کو ہنسی آتی ہے، وہ میرا آنچل پکڑ کر کھینچتے اور کہتے ہیں، اری نا دیدہ دیوتا کی پجارن! اب بھی ہوش میں آ ہٹ دھرمی چھوڑ، آ آ اِن نظر آنے والے، آنکھوں کے سامنے بیٹھے ہوئے دیوتاؤں کے سامنے اپنا سرکش سر جھکا دے۔

یہ کہتے ہوئے میرا دامن پکڑ کر اپنے دیوتاؤں کی طرف کھینچتے ہیں۔

اُس وقت شدتِ غم سے کلیجہ مُنہ کو آجاتا ہے، اور میں تیوراکر فرشِ خاک پر دھڑام سے گر پڑتی ہوں۔

اس وقت، ہاں اُس وقت جب کہ میری آنکھیں بند

ہوجاتی ہیں، میرے ہوش و حواس کھو جاتے ہیں، اپنے آپ کو بھی سمجھنے کے قابل نہیں رہتی ہوں ——— تو ——— ہاں میرے ناتھ تو، میرے ہی وجود کی نقاب اُلٹ کر اپنا متبسم چہرہ دکھاتا ہے حیرت اور سخت حیرت ہے کہ

کبھی نظر نہ آنے والا آنکھیں بند ہونے پر نظر آتا ہے۔

کِس طرح کہوں "ارے مجھ پر طعنے کرنے والو! آؤ دیکھو میرا ناتھ یہ رہا، اس وقت تو میری زبان ہی بند ہوگئی ہے۔

کِس سے کہوں، کہ تو یہاں چھپا کھڑا ہے۔ اس وقت تو تیرے سوا دوسرا ہے ہی نہیں۔

قطعہ

جبتک اپنا وجود باقی ہے ہم کبھی، اس کو پا نہیں سکتے
اِس کی صورت کبھی کبھی، امجدؔ دیکھتے ہیں، دکھا نہیں سکتے

قطعہ

یوں لاکھ میں دم توڑوں سنتا ہی نہیں میری جب گرنے کو ہوتا ہوں وہ تھامنے آتا ہے
میں کس سے کہوں لوگو! لو آؤ یہاں دیکھو جب کوئی نہیں ہوتا، وہ سامنے آتا ہے

رباعی

ہر رات مرا ماہ جبیں آتا ہے اِس پردے میں، وہ پردہ نشیں آتا ہے
جب وہ آتا ہے، میں نہیں رہتا ہوں میں جب رہتا ہوں، وہ نہیں آتا ہے

۵

قیاس مع الفارق

ہمارے ایک دوست انگریز نما ہی نہیں، بلکہ صورۃً، ولباساً ولساناً پُورے انگریز تھے ہم نے پہلی دفعہ اُن کی صورت دیکھ کر اُن سے ملنے سے ہی اِنکار کردیا تھا۔

مگر پھر جب ملاقات ہوگئی تو معلوم ہوا کہ یہی ایک شخص ملنے کے قابل ہے۔

ایک دفعہ ہم نے مسجد میں کسی صاحب کو پوری جنٹلمینی شان میں، مانگ جمائے، ٹوپی اُتارے دیکھ کر سمجھا کہ وہی ہمارے انگریز دوست ہونگے۔ مگر قریب جانے کے بعد معلوم ہوا کہ وہ نہیں ہیں اِس غلط فہمی کے دوسرے یا تیسرے دن جب ان دوست سے ملاقات ہوئی تو ہم نے کہا کہ پرسوں ایک صاحب عَین مَین آپ ہی کی طرح، مسجد میں ٹوپی اُتارے بیٹھے ہوئے تھے ہم تو سمجھے کہ آپ ہی ہونگے۔ مگر بعد میں معلوم ہوا کہ آپ نہیں ہیں۔ ہمارے دوست نے کہا، مولانا! اگرچہ میں مسجد میں بہت کم جاتا ہوں، مگر جب کبھی جاتا ہوں وہاں ٹوپی اُتار کر نہیں بیٹھتا۔ اسکو احترام مسجد کے خلاف سمجھتا ہوں۔

اللہ اکبر، صورت دیکھئے پُورے انگریز، سیرت دیکھئے

حیرت انگیز، فرشتوں سے کہیں آگے بڑھے ہوئے۔

پسچ ہے، باتیں تو بہت ہوئیں ہنر بھی دیکھو
تقریر تو سُن چکے، اثر بھی دیکھو
ہوتا نہیں ظاہر پہ قیاسِ باطن
دلق اطلس کا آستر بھی دیکھو

ثبوت زندگی

ایک دفعہ ایک صاحب ہم سے ملنے کے لئے تشریف لائے، معمولی اور رسمی علیک سلیک کے بعد، پھر جو گفتگو کا پل باندہ دیا، سنتے سنتے کان تھک گئے صورت دیکھتے دیکھتے آنکھیں پتھرا گئیں ہم بہت دیر تک اِس گفتگو کا ماحصل ڈہونڈتے رہے مگر سوائے اِس کے اور کچھ سمجھ میں نہ آیا۔

کر رہا ہوں ہر ایک کی پوجا
بندگی کا ثبوت دیتا ہوں
چل رہی ہے زبان آٹھ پہر
زندگی کا ثبوت دیتا ہوں

بک بک کی جہاں میں عام بیماری ہے
اسرار نہاں کی ہر طرف خواری ہے
جاری رہتا تھا پہلے دل عارف کا
اب، دل کی جگہ، زبان ہی جاری ہے

۵

یا ادھر یا اُدھر

ایک دفعہ بیرون ممالک سے ایک بزرگ حیدرآباد میں تشریف لائے (جنکی تعریف ہم ہمیشہ سُنا کرتے تھے) شدت شوق میں ایک دن ہم بھی حاضرِ خدمت ہوئے اور بہت دیر تک سر جھکائے بیٹھے رہے مگر قابل خطاب نہ سمجھے گئے۔ نہ اُنھوں نے ہم کو پوچھا کہ تو کون ہے نہ ہم کو اُن کے مقابل میں "میں بھی ہوں" کہنے کی جراءت ہوئی غرض جیسے گئے ویسے واپس آرہے، پھر بھی اس سعی لاحاصل میں ایک بات حاصل ہوگئی۔ وہ یہہ کہ۔

رہتا ہے جو دین کی طلب میں اس کو دُنیا میں کون پوُچھے
دنیا سے رہا جسے سروکار اس کو عقبیٰ میں کون پوُچھے

وائے برما

ہمارے ایک دوست ایک مدت غائب ہوکر جب تشریف لائے
ہم نے پوُچھا، جناب اتنے دنوں کہاں رہے ؟
کہا، خدا کی تلاش میں۔
ہم نے پوُچھا۔ کیا خدا مل گیا؟

کہا، ہاں مل گیا۔

ہم نے یہ سُنکر نہایت حسرت و یاس سے کہا۔ افسوس۔

سچ مچ، کوئی انسان بھی ہم کو نہ ملا یا کوری بنی جان بھی ہم کو نہ ملا
کچھ لوگ وہ ہیں، جنکو خدا ملتا ہے اِک ہم ہیں، کہ شیطان بھی ہم کو نہ ملا

ھ

غیرّیت

ہمارے ایک عزیز کے مکان میں، کئی دفعہ چور آچکا تھا۔
ایک رات گھر والوں نے چور پکڑنے کا قصد مصمم کرلیا، گھر میں کل تین مرد تھے۔ ایک باپ، ایک بیٹا، ایک مہمان، ہر ایک نے اپنی چار پائی کے قریب ایک لاٹھی رکھ لی، اور چراغ بجھا کر چار پائی پر لیٹ گئے تھوڑی دیر میں جوان لڑکے کی آنکھ لگ گئی۔ سردی کا موسم تھا، باپ نے فرطِ محبت سے لڑکے کو چادر اُڑھا دی، چادر اُڑھانے میں، باپ کا ہاتھ لڑکے کے جسم سے مَس ہوگیا۔ صاحبزادے گھری نیند میں، اپنے مفروضہ چور کا خواب دیکھ رہے تھے۔ باپ کا ہاتھ جِسم سے لگتے ہی سمجھ گئے کہ مجھپر چور نے حملہ کردیا ہے بس پھر کیا تھا۔ اسی طرح لیٹے لیٹے لپک کر باپ کا گلا دبا بیٹھے، اور اِس شدت سے دبو چا کہ آنکھیں باہر نکل پڑیں۔ باپ ہیں کہ

نہ مُنھ سے بُول سکتے ہیں، نہ جوان لڑکے کی گرفت سے اپنا گلا چھڑا سکتے ہیں۔ باپ، تو بیٹے کو بیٹا ہی سمجھ رہے ہیں، مگر بیٹے ہیں کہ باپ کو چور سمجھکر گلا گھونٹ رہے ہیں۔

خیر گذری کہ والد صاحب بیہوش ہوگئے، اور صاحبزادے صاحب نے کامیاب فاتح کی شان میں اپنے مقابل حریف گلا چھوڑ دیا۔ ورنہ تھوڑی دیر اور ہوش قائم رہتا تو وہ شاید ابدالآباد کے لئے بیہوش ہو جاتے۔

اسی واقعہ بیداری کے مماثل، ایک حدیث خواب بھی سُن لیجئے، وہ یہہ ہے کہ؛

ایک دفعہ ہماری سلمیٰ عالم خواب میں، خنزیر کو صحن مسجد میں دیکھ کر، جذبۂ مذہبی کے تحت آپے سے باہر ہوگئیں، اور لکڑی لیکر اُس کو اِس قدر مارا کہ اس کا تمام جسم لہو لہان ہوگیا، ہرچند کہ وہ تڑپ رہا ہے، چیخ رہا ہے، چلّا رہا ہے، مگر بی سلمیٰ ہیں کہ خنزیر پر رحم کرنا جانتی ہی نہیں؛ برابر ماری جارہی ہیں؛

جب خنزیر اَدھ مُوا ہوکر زمین پر گر پڑا تب کہیں جاکر پیچھا چھوٹا۔

اب نیا تماشا دیکھئے کہ خنزیر نے تڑپتے تڑپتے اور لوٹتے لوٹتے اپنا چُولا بدل دیا۔ اور اِس خنزیری جسم سے حضرت امجد زخموں میں چُور چُور اور لہو لہان برآمد ہوئے۔ اب سلمیٰ کی

پشیمانی، اور انفعال سے کیا ہو سکتا ہے؟ جو ہونا تھا وہ ہو گیا، اسی لئے امجد نے تمام دُنیا کے نام یہ پیام دیا ہے کہ۔

ہر شخص کے دل کو خوش رکھو عید یہ ہے ہر چیز کو اچھا کہو، تمہید یہ ہے
مخلوق خدا ہے سب، خدا کی مخلوق سب کو تم ایک سمجھ، توحید یہ ہے

ہمارا حسب نسب

کسی دور دراز ملک سے ہمارے نام ایک خط بدیں مضمون وصول ہوا کہ:۔

آپ کے تصانیف پڑھنے کے بعد مجھ سا یہ دل بھی، آپ کو صاحب بالمن سمجھنے میں تامل نہیں کرتا ہے میں آپ کے حلقہ ارادت میں شریک ہونا چاہتا ہوں، آپ اپنے سلسلۂ بیعت اور آپ کے خاندان کو کسی خاص بزرگ سے تعلق ہو تو اس سے بھی مطلع فرمائیے۔ الخ

ہم سوچ رہے تھے کہ کیا جواب دیں، ہم مرشد نہ مرید، ہم بزرگ، نہ ہمارے خاندان میں کوئی بزرگ، جامہ ندارم، دامن از کجا آدم، اپنے خاندان ہی سے واقف نہیں، تا بہ بزرگی چہ رسد آخر" اِستفتِ قلبک" کے تحت اپنے قلب سے قل

کہہ کر سوال کیا، قلب نے، بصدائے بازگشت وہی، قلؔ، کہا،
اِس جوابی، قلؔ سے سورۃ قل ہو اللہ سامنے آگئی اور ہم نے
اِسی سورۃ سے (جس میں خدائے تعالیٰ نے اپنا حسب و نسب
بیان فرمایا ہے)۔
رنگ ریکر اپنے حسب نسب کی تصویر کھینچ کر، ان کے
جواب میں بھیجدی۔

سیّد احمد حسین ہوں، امجد ہوں — حسّانؔ الہند، ثانی سرمد ہوں
کیا پوچھتے ہو، حسب نسب کو میرے — میں بندۂ لم یلد و لم یولد ہوں

ھ

نچو نچو

ہم ایک دفعہ سویرے جنگل کی سیر کر رہے تھے اتفاق
کی بات ہمارے ایک عزیز کا کمسن اور اکلوتا بچہ بھی اُس وقت
ہمارے ساتھ تھا۔ تھوڑی دور جانے کے بعد درخت پر بیٹھی
ہوئی ایک چڑیا صاف اور صریح لفظوں میں، بچو، بچو بچو، بچو
کہتی ہوئی اُڑ گئی۔
چڑیا کی آواز سے، فضائے آسمانی پر اُڑنے والی
نگاہیں، سہم کر زمین پر آگئیں۔ پھر آگے بڑھ نہ سکے، الٹے پاؤں

واپس ہوئے۔ پلٹے ہی تھے کہ ہم سے بالکل قریب پھن کھولے ہوئے ایک کالے ناگ پر نظر پڑی، بچے کو تو ہم نے فوراً کھینچ کر اپنے پیچھے لے لیا، اور خود اپنی جگہ ٹھٹک کر رہ گئے۔ ناگ کی نظر ہم سے اور ہماری نظر ناگ سے لڑ رہی تھی۔ وہ ہمارے حملہ کا منتظر تھا، اور ہم اس کے حملہ کے منتظر تھے۔

اپنی جان سے زیادہ بچے کی جان کا خوف ہماری روح کو تحلیل کر رہا تھا۔

آخر چند منٹ کی کشاکش کے بعد، سانپ اپنی بانبی میں چلا گیا اور ہماری بیوفا جانِ برلب آمدہ، پھر جسم میں داخل ہوئی۔ سانپ اِدھر گیا، اور اُدھر ہمارا گھٹا ہوا سانس، پھر سینے میں واپس آیا۔ اَلحَمدُ لِلّٰہِ رَبِّ العَالَمِینَ۔

امجد صاحب! ٹھیرو ٹھیرو، ابھی اطمینان کا سانس نہ لو! سنو، سنو، ذرا غور سے سنو، بچو، بچو، کی ایک اور بھی آواز آرہی ہے۔

(اتقوا النار التی وقودھا الناس والحجارۃ)

(بچو، بچو، اِس آگ سے بچو جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں) لیکن جس نے آج اپنے سیہ کار بندے کو کالے ناگ سے بچا لیا، امید ہے کہ کل جہنم کی آگ سے بھی بچا لیگا۔

کنتم علی شفا حفرۃ من النار فانقذکم منھا۔

تم آگ کے گڑھے کے کنارے آ لگے تھے لیکن خدا نے تم کو اِس سے بچا لیا۔

ہر رنگ میں، اِک وہی ہے آنیوالا ہر سانس کے ساتھ آنے جانیوالا
دنیا ہو، کہ آخرت، یہاں، ہو کہ وہاں ہے دونوں جگہ وہی بچانیوالا

ھ

جبر و اختیار

ایک دفعہ ہمارے ایک دوست کے گھر ایک جلسہ قرار پایا جہاں یہ مسئلہ زیرِ بحث تھا کہ "ہم مجبور ہیں یا مختار؟ اور اِس مسئلہ پر روشنی ڈالنے" اور اِس گتھی کو سلجھانے کے لئے ایک مولوی صاحب مصلح قوم کو کئی دن پیشتر اِطلاع دیدیگئی تھی۔

اِس واقعہ سے بے خبر، ہم بھی وہاں جا پہونچے، دیکھا کہ وہاں بڑے بڑے شعرا اور فلاسفر جمع ہیں۔ جلسے کا موضوع معلوم کرکے ہم بھی ٹھہر گئے۔

کچھ دیر کے بعد جلسے کا آغاز ہوا۔ مولوی صاحب موصوف الصدر بیچ میں دھرے گئے اور حسب ذیل سوالات شروع ہوئے:

ہم مجبور ہیں یا مختار ؟

جواب، ہم مجبور بھی ہیں، اور مختار بھی۔

(قہقہہ) **سوال**۔ ہماری اپنی مجبوری کے لئے کسی مثال یا دلیل کی ضرورت نہیں ہے۔

براہ کرم ہمارے اپنے اختیار کے متعلق کوئی مثال پیش کیجئے؟

جواب: جتنے کام ہم اپنی عقل اور ارادے سے کرتے ہیں وہ سب اختیاری ہیں۔

سوال۔ ارادہ پہلے ہے، یا خواہش ؟

جواب۔ (وقفہ ۵ منٹ) خواہش پہلے ہے۔

سوال۔ ہم فرض کئے لیتے ہیں کہ ارادہ ہمارا اپنا ہے مگر خواہش کا نشو و نما تو ہمارے ارادے سے باہر ہے۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہم کسی چیز کی خواہش کرنے میں مجبور ہیں۔

جواب: (وقفہ ۱۰ منٹ) جبر و اختیار میں بحث کرنے سے ہم کو روکا گیا ہے۔

سوال۔ ہم سے آپ کی کیا مراد ہے ؟ اگر ہم سے مراد مسلمان ہیں، تو فرض کر لیجئے کہ ہم مسلمان نہیں ہیں، اسلام میں داخل ہونے سے پہلے ہم اس مسئلہ کو سمجھنا چاہتے ہیں۔

جواب: غیر مسلم سے کون گفتگو کر سکتا ہے۔ ہم کو عقل دیگئی ہے۔

ہم کو عقل کے موافق کام کرنا چاہیئے۔

سوال۔ ہر شخص اپنی عقل کے موافق کام کرتا ہے آپ اپنی عقل کے مطابق کرتے ہیں میں اپنی عقل کے مطابق کرتا ہوں، مگر طف تو یہ ہے کہ آپ میرے افعال پر اعتراض کرتے ہیں، میں آپ کے اعمال پر ہنستا ہوں۔ یہ کیسی عقل ہے جو کسی کی عقل میں نہیں آتی

جواب۔ ..... (مولوی صاحب بالکل خاموش ہوگئے)

ایک صاحب جلسہ۔ افسوس آج کا وقت ضایع گیا، کوئی بات معلوم نہوئی۔

دوسرے صاحب۔ (مولوی صاحب سے مخاطب ہوکر) جب آپ خود نہیں سمجھ سکتے ہیں تو ہم کو کیا سمجھا سکتے ہیں۔

اِس قسم کی بہت سی جلی کٹی، طعن آمیز، مضحکہ خیز گفتگو کے بعد جلسہ برخاست ہونے کو تھا کہ ایک صاحب نے ایک رِند منش فقیر (کو جو اپنے میلے کچیلے لباس میں، سر جھکائے بیٹھا ہوا تھا) مخاطب کرکے کہا، کہ براہ کرم کچھ آپ ہی فرمائیے۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ آج کا وقت کس طرح خراب ہوا ہے۔

سرور گریبان فقیر نے سر اُٹھا کر کہا کہ مجھے آپ کے حکم سے کوئی اِنکار نہیں، جو میری سمجھ میں آتا ہے عرض کرتا ہوں۔ نہیں معلوم آپکی سمجھ بھی اس سے اِتفاق کرتی ہے یا نہیں۔

ابھی ابھی طے ہوچکا ہے کہ ہر ایک کی عقل پر دوسرا ہنستا ہے، اور ہر ایک کی سمجھ کو دوسرا بے سمجھی پر محمول کرتا ہے"

میں عرض کرتا ہوں کہ سرے سے ہمارا سوال " (ہم مجبور ہیں یا مختار؟) ہی غلط ہے؛

کیونکہ یہ سوال دو وجود کا مقتضی ہے۔ ایک مجبور، ایک جبار، یا ایک اِختیار دہندہ اور ایک اختیار گیرندہ۔ اور میرے خیال کے سوا عام طور پر بھی شاید کوئی دو وجود کا قائل نہیں ہے؛ جب وجود واحد مسلم ہے تو ہمارا سوال ہی " ہم مجبور ہیں یا مختار" مرتفع ہوجاتا ہے۔ جیسے جسم اور روح میں ہم نہیں کہہ سکتے کہ کون مختار ہے اور کون مجبور؟ کیونکہ جو فعل روح کا ہے۔ وہی جِسم کا ہے، اور جو جسم کا فعل ہے عین روح کا فعل ہے۔

جبر و اختیار میں بحث کرنے سے ہم کو اِسی لئے روکا گیا ہے کہ اِس موضوع پر بحث کرنے سے دو وجود پیدا ہوجاتے ہیں جو منافی توحید ہے۔

اِسی تعدّدِ وجود کے ابطال میں کہا گیا ہے۔ لوکان فیھما اٰلھۃ الا اللہ لفسدتا

ہیں مستِ مئے شہود، تو بھی، میں بھی ہیں مدعی نمود تو بھی میں بھی
یا، تو ہی نہیں جہاں میں، یا میں ہی نہیں ممکن نہیں دو وجود، تو بھی میں بھی

ہم

ہمارے ایک تلمیذ رشید، انگلستان سے تعلیم پاکر واپس تشریف لائے، ہم ملاقات کو پہونچے اور نہایت مسرت سے کہا کہ خدا نے آپ پر بڑا فضل کیا کہ آپ قابل و کامل ہو کر انگلستان سے واپس تشریف لائے۔

ہنسکر فرمایا، مولانا، آپ ابھی اسی دقیانوسی خیال میں مبتلا ہیں، سائنس نے ثابت کردیا ہے کہ خدا کوئی چیز نہیں ہے جو کچھ ہیں ہم ہیں، اور ہم ہی سب کچھ کرسکتے ہیں۔

ہم نے عرض کیا،

دم بھر، دم آدم کو سمجھتے ہوتے — دن رات کے ہمدم کو سمجھتے ہوتے
یہ سچ ہے کہ ہم جو چاہیں کرسکتے ہیں — اے کاش، کہ ہم، ہم کو سمجھتے ہوتے

ہندو پڑوسن

ہمارے پڑوس میں ایک ہندو عورت رہا کرتی تھی، جسکو ہم رانی جی، رانی جی، کہا کرتے تھے جو کبھی کبھی فرصت کے وقت ہمارے گھر میں بھی آیا کرتی تھی۔

عورت، حسین، اور جوان تھی، اور شوہر، بیہ فام، اور خمیدہ کمر۔

ہماری ایک عزیزہ، (جو اپنے شوہر سے بگڑ کر سال چھ مہینے سے ہمارے گھر میں آگئی تھیں) رانی جی کو ہمیشہ چھیڑا کرتیں کبھی "بڈھے کی جوانی" کبھی کالے کوّے کی دوانی، کے نام سے پکارا کرتیں، شریف رانی ہمیشہ سُنکر چپ ہوجاتی۔

ایک دِن حسب عادت ہماری وہی عزیزہ، رانی جی کو، بڈھے کی جوانی، کالے کوے کی دوانی کہہ کہہ کر چڑھا رہی تھیں بھولی بھالی رانی پہلے تو کچھ دیر تک حسب عادت خاموشی سے سُنتی اور ہنستی رہی۔

پھر یکایک اپنی عادت کے خلاف، بڑی بڑی آنکھیں نکال، اپنے لال پیلے کپڑوں کی طرح، لال پیلی ہوکر کھ اُٹھی، سنو، بی بی شوہر جوان ہو یا بوڑھا، گورا ہو یا کالا، اندھا ہو کہ لنگڑا مگر "ہے تو سہی" کچھ نہونے سے تو ہونا ہی بھلا، ناقص العقل، بے سہارا عورت کے لئے کسی نہ کسی کے پلے سے بندھا رہنا ہی بہت کافی ہے۔

وہ ملے، یا نہ ملے، تم تو طلب گار رہو
الجھے سلجھے کسی کاکل کے گرفتار رہو

بات تھی، یا کرامات، ہمیشہ خاموش رہنے والی عورت، بات بھی کی تو ایسی، جو تالو سے ہوتی ہوئی تلووں تک اُتر گئی۔ سچ ہے زمین ہمیشہ خاموشی سے تمام عالم کی ٹھوکروں میں پڑی رہتی ہے۔ مگر جب کبھی کبھار ہلتی ہے (جس کو زلزلہ کہتے ہیں) تو سینکڑوں ہزاروں کو چشم زدن میں فنا کر دیتی ہے۔

رانی جی کے چھبتے ہوئے فقروں سے شوہر کو چھوڑی ہوئی عزیزہ، تو "ہیں ہیں" کرتی رہ گئیں مگر ہمارے دِل پر ایک زبردست چوٹ لگی، اور آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو ٹپک پڑے ہم نے روتے ہوئے کہا، رانی جی! حق کو بھول جانیوالی باطل ہستیاں کاش تم سی راسخ العقیدت ہو کر تمہارے نقش قدم پر چلتیں، اور بغیر خدا کے زندگی بسر کرنے والے بندے تم سے سبق لیتے

تو، میری عبادت کیلئے آکہ نہ آ ہر درد میں، تیرا نام ہی شافی ہے
تو، پیش نظر نہیں، تو کچھ ہرج نہیں اِک "ہے" کا خیال ہی بہت کافی ہے

اصلیت اگر نہیں، تو دھوکا ہی سہی اللہ! بہت نہیں، تو تھوڑا ہی سہی
تسکین کی آخر کوئی صورت بھی تو ہو رویت، ممکن نہیں، تو رویا ہی سہی

اِسی طرح

ایک دفعہ ایک ہندو عورت نے حج سے واپس ہوتے وقت ہم کو از سرِ نو مسلمان کیا تھا؛ (ملاحظہ ہو حج امجد)۔

واقعہ یہ ہوا کہ جب ہم نے زنانہ ڈبے میں اپنی بیمار بیوی کو بستر بچھا کر سُلا دیا، پاس ہی بیٹھی ہوئی ایک ہندو عورت سے کہا۔ کہ مہربانی سے ذرا اِس بیمار کی طرف بھی خیال رکھیئے، اپنے مقام پر اُترنے تک، آپ اُنھیں کے ساتھ رہیں تو مناسب ہوگا۔

ظالم منھ بنا، تیوری چڑھا کر کس انداز سے کہتی ہے، آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ کیا پرمیشر اِن کے ساتھ نہیں ہے؟ العظمۃ للہ ایک ہندو عورت نے ابھی ابھی حج سے واپس آنے والے (بزعم خود) مسلمان کامل کو اللہ معکم اینما کنتم (تم جہاں رہو خدا تمھارے ساتھ ہے) کی روشنی میں کس طرح از سرِ نو مسلمان کیا اور حضرت ابوالاعظم، ابن صوفی، مولانا مولوی حاجی امجد صاحب قبلہ و کعبہ کو ایک معمولی، جاہل، ہندو عورت نے برسوں کا پڑھا اور بھولا ہوا سبق پھر یاد دلا دیا۔

باوجود اِس ذلت کے پھر بھی ہم کو اِس بات کی مسرت ہے کہ توفیق الٰہی نے ایسے سخت وقت میں بھی ہم کو حدیث

کلمۃ الحکمۃ ضالۃ المومن حیث وجدہا اخذہا (ہر اچھی بات مومن کی کھوئی ہوئی چیز ہے اُس کو چاہئے جہاں کوئی کام کی بات پڑی پائے فوراً اُٹھالے) پر عمل کرنیکی توفیق دی ۔ اور ہم کو ہماری تنگ چشمی کے خشک کنویں سے نکال کر اپنی بے پایاں رحمت کے سمندر سے سیراب کیا۔

وکاین من آیۃ فی السموات والارض یمرون علیہا وہم عنہا معرضون یعنی خدائے پاک کی راہ دکھانے والی ہزاروں نشانیاں ایسی ہیں کہ لوگ اِدھر سے ہو کر گزرتے ہیں مگر اُدھر توجہ نہیں کرتے

صنعت تیری، ہر خار دکھا دیتا ہے ہر غنچۂ گل، تری صدا دیتا ہے
ہر اصل، اُصولِ معرفت ہے، یارب! پتا پتا، ترا پتا دیتا ہے

نتیجۂ خود پسندی

ہمارے ایک ہمسایہ کا انتقال ہو گیا، ہم کو بھی خبر ہوئی، چونکہ ہم اپنے ہم محلہ کے تفصیلی حالات اور اُن کے اعمال سے اچھی طرح واقف تھے اُن کی نماز میت اور تدفین میں شرکت کو، اپنے اعمال حسنہ کے شایان شان نہ سمجھا، وقت گزرتا چلا ہم اپنے کاروبار میں مصروف ہو گئے، تھوڑی دیر بعد کتب خانے کے کمرے سے گنگنانے کی آواز آئی، وہاں جا کر دیکھا کہ ہماری

بیوی صاحبہ دیوان حافظ ہاتھ میں لئے حافظ کا یہ شعر:

قدم دریغ مدار از جنازۂ حافظ اگرچہ غرق گناہ ست می رود بہشت

مزے لے لے کر گنگنا رہی، یا گا رہی ہیں، اِس شعر نے ہمارے تمام شعور خود داری کو مٹا کر، مرنے والے ہمسائے کی تصویر سامنے کھڑی کر دی، اور اس تصور کے ساتھ ہی کسی خاموش زبان نے یہاں تک کہہ دیا کہ "اگر تم اپنی نجات چاہتے ہو تو اِس گناہ گار کی میت میں شریک ہو کر اُس کو اپنا وسیلۂ نجات بنا رو۔ ورنہ عذابِ شدید کے لئے تیار ہو جاؤ۔

بنا ہے قطرۂ ناپاک بھی گوہرِ شہوار خیال اصل سے، دل آب آب ہوتا ہے
غریب بھول گیا آج، اپنی ہستی کو چراغ شام کہیں آفتاب ہوتا ہے
ہوا ہے عرش نشین آج خاک کا پتلا حباب ابھر کے فلک کا جواب ہوتا ہے
نہیں ہے یدُ اللہ فوقَ ایدیھم کہ مشت خاک بھی، عالی جناب ہوتا ہے

ہر آن ایک نئی شان میں ہے ہر ذرہ پلک جھپکنے میں، یاں انقلاب ہوتا ہے
یہ بات ہم تجھے سمجھائے دیتے ہیں امجد جو سمجھے آپ کو اچھا خراب ہوتا ہے

اِس نمائے غیبی نے کان کھول دیئے، بگڑا ہوا دماغ صحیح ہو گیا گرتے پڑتے فوراً مرنے والے کے گھر پہونچے جنازہ نکل ہی رہا تھا، شکر ہے کہ وقت پر پہونچ گئے اور مرنے والے کو قبر تک پہونچا آئے۔

اب ہمیشہ کے لئے توبہ کر کے دعا، کرتے ہیں۔

اِس بندے کو طاعت ریائی سے بچا
مٹنے والے کو، خود نمائی سے بچا
چاہے کسی اور سے بچا، یا نہ بچا
لیکن مجھے، میری کبریائی سے بچا

یارب اِک تو ہی آسرا ہے میرا
اِک ترے سوا اب اور کیا ہے میرا
ہے ننگ تجھے، کہ میں ترا بندہ ہوں
ہے فخر مجھے، کہ تو خدا ہے میرا

ھ

طالب خدا

ہمارے ایک دوست سالک منازل معرفت (بزعم خود) طالب حقیقت اپنے اہل وعیال کے حقوق پامال کئے ہوئے درگاہ، درگاہ، قبرستان، قبرستان، یا پیر، یا پیر کہتے ہوئے پھرا کرتے ہیں۔

پیروں اور بزرگوں کی خدمت گزاری اور کفش برداری سے اُن کو اتنی فرصت ہی نہیں ملتی کہ اپنے خردوں کی طرف توجہ کر سکیں بچے بیمار ہیں، ہوا کریں، مگر آپ تو اپنے مسیحا کے ہاتھ جام صحت نوش فرما رہے ہیں بیوی، رات رات بھر عالم توحید میں ڈر مر کر دم توڑ رہی ہے، مگر آپ ہیں کہ گھر سے باہر مسائل تصوف کا حل فرما رہے ہیں۔

کسی کی کیا مجال ہے کہ جناب معرفت مآب کی شان میں کچھ کہہ سکے یا اُن کے کسی فعل پر کوئی اعتراض کر سکے فوراً بد دُعا کا تازیانہ سٹراک سٹراک رسید کر دیا جاتا ہے۔

"جائیگا" "ابھی ابھی غارت ہو جائیگا" کی تخویف سے پتہ پانی کر دیا جاتا ہے۔ کبھی کبھی تو اپنے خیالی خدا کی تلاش میں شمعون کی طرح، بیوی بچوں کو ٹھکرا کر، کئی کئی دن کے لئے گھر سے غائب ہو جاتے ہیں۔

شمعون

کا قصہ یہ ہے، کہ شمعون اپنے زمانے میں ایک زبردست امام تھا، جس کے سارے خیالات "برتر از خیال" ذات کی طرف لگے رہتے تھے۔ اور ہمیشہ اِس بحرِ بے پایان تک پہونچنے کے لئے ہاتھ پاؤں مارا کرتا جو سرچشمۂ حیات اور مرجع کل کائنات ہے۔

رفتہ رفتہ شمعون امام کی شہرت گرد و نواح میں پھیلنے لگی۔ اِس کے پاس بیماروں، رنجوروں، تکلیف زدوں کا ایک خاصہ میلا لگ گیا۔ لوگ خاک پر پیشانیاں رکھ، اور رو رو کر کہنے لگے، اے خدا والے، ہم کو ابدی تسکین عطا فرما۔ ہم دنیوی مصائب و آلام میں دَب گئے ہیں، ہم اپنے دل اور روح کے زخموں سے نیم بسمل کی طرح تڑپ رہے ہیں، اپنی دعاؤں کے

مرہم سے ہمارے زخموں کو اچھا کر دے۔ الخ

شمعون امام مصیبت زدوں کی یہ آہ و زاری سُن کر غیظ و غضب کے ساتھ اُون غریبوں پر پتھر برساتے ہوئے کہنے لگا "اے دُنیا کے کتو! جاؤ، یہاں سے چلے جاؤ، تم میرے پاس کیوں آئے ہو، مجھے تمہاری مُصیبتوں سے کیا واسطہ۔ میں گناہ گاروں کے ساتھ کسی قسم کی ہمدردی نہیں کرسکتا۔ نجس اور ناپاک کتوں کو کون پاک کرسکتا ہے؟ جاؤ، بدمعاشو جاؤ، میری زندگی اب خدا کی ہوگئی ہے تم شیطانوں سے مجھے کوئی سروکار نہیں،

اُمیدوں سے بھرے ہوئے غریبوں کے دل شمعون امام کی یہ باتیں سنکر مغموم اور شکستہ دل واپس ہوگئے۔

ایک صبح جب کہ شمعون امام اپنے لطیف مراقبے کی لذت میں محو تھا؛ اُس کے چاروں طرف ایک ناری نور جلوہ گر ہوا اور اس نور سے ایک عجیب فرشتہ نمودار ہوکر اُس جگہ آکر کھڑا ہوا جہاں سے شمعون نے غریبوں کو پتھر مار کر نکال دیا تھا، شمعون اُسے دیکھتے ہی سربسجود ہوگیا۔ فرشتے نے شمعون کے سر کو ٹھکرا کر کہا چل ہٹ، مرے قدموں سے دُور ہو، تو نے میرے دوستوں کو ٹھکرا دیا، اب مجھ سے کیا اُمید رکھتا ہے شمعون خوف و حیرت سے کہنے لگا، خداوندا! ترے کون سے دوست؟ جن کو میں نے ٹھکرا دیا

فرشتے نے اپنی جلالی اور خوفناک آواز میں کہا؛

اے بے درد، بے رحم شمعون! سب کچھ جاننے کے مدعی! تو نے تو کچھ بھی نہیں جانا۔

ارے بے وقوف جن غریبوں، معذوروں، گناہ گاروں کو تو نے اپنے در سے نکال دیا، کیا وہ سب (تیری طرح) میرے نہیں تھے؟ اے کور چشم شمعون وہ تو وہ، جنگل کی ہر چڑیا میری ہے۔ درخت کا ہر تنہ میرا ہے، پھول کی ہر پنکھڑی میری ہے؛ جنگل کا ہر کانٹا میرا ہے۔ ارے احمق، سب، ہاں سب میرے ہیں، اور میں سب کا ہوں، تو نے غریبوں کا انکار نہیں کیا، حقیقت میں میرا انکار کیا تو نے بیکسوں، حاجتمندوں کو اپنے در سے نہیں نکال باہر کیا بلکہ حقیقت میں مجھے نکال دیا۔

ریاضت چھوڑ، محبت سیکھ، ہاں ادنیٰ اور کمترین مخلوق سے بھی محبت، اسی محبت کے ذریعہ تو ہمارا محبوب بن سکیگا بالفعل تو تو نے جس طرح دوسروں کو ٹھکرا دیا ہے، جا جا ہم بھی اپنی رحمت سے تجھے دور پھینکدیتے ہیں۔ یہ کہہ کر فرشتہ غائب ہوگیا اور شمعون کی آنکھ کھلی۔

اِک شخص، چلا گھر سے نکل کر سوے صحرا — مولا کی طلب میں زن و فرزند کو چھوڑا
سمجھا، زن و فرزند ہی ہیں مانع دیدار — ہے منزل مقصود میں حائل، یہی دیوار

صحرا میں، سمندر میں، اسے ڈہونڈ رہا تہا — ہر بحر میں، ہر بر میں، اسے ڈہونڈہ رہا تھا
کھو یا گیا خود آپ، مگر اُس کو نہ پایا — سب کھو کے بھی بیچارے کے کچھ ہاتھ نہ آیا
مایوسی سے، دل ٹوٹ گیا، پاؤں کے مانند — ڈھلتی رہی عمر اس کی یوں ہی چھاؤں کے مانند

بیچارے پہ جسوقت گھٹا موت کی چھائی — اُس وقت کسی کی یہ صدا کانوں میں آئی

اے طالب حق! حق تو ترے گھر میں مکیں تھا
نکلا تھا تو جس جا سے، ارے میں تو وہیں تھا

چھوڑ دے، جھوٹی عبادت چھوڑ دے — سبحۂ گردان سے رشتہ توڑ دے
تیرگی میں کیوں پڑا ہے منھ کے بھل — روشنی میں آ ذرا باہر نکل
اختیاری جبر سے باہر نکل — اِس اندھیری قبر سے باہر نکل
حتی الامکان کرلے خدمت خلق کی — رب ہے مستغنی، عبادت سے تیری
آ، اتر آ خاک پر پابوس کو — پھینکدے اِس خرقۂ سالوس کو
کاہلوں کو مل نہیں سکتا خدا — لیس للانسانِ اِلا ما سعیٰ
سوز دل محبوب کو مرغوب ہے — عُود کی جا، دل جلے تو خوب ہے
آنکھ سے آنسو بہیں، رُخ زرد ہو — کھا دوا ایسی، کہ جس سے درد ہو

پیچھے پیچھے درد کے دلدار ہے
ایک ہی ٹکر میں بیڑا پار ہے

ایک کے ہو کر دیکھو

ہمارے ایک دوست قبروں پہ بہت گرتے ہیں اور پیروں سے بہت ڈرتے ہیں۔ ایک دن ہم نے ان سے اِس کا سبب پوچھا بہت ہی اِنکار کے بعد بالآخر یہ اقرار کیا کہ قبور سے ہم کو فیضان ہوتا ہے اور پیروں کی ناراضی سے دین و ایمان کا نقصان ہے اِس لئے قبروں پر گرتا ہوں اور پیروں سے ڈرتا ہوں۔

ہم نے کہا کہ نفع و نقصان تو دنیا کے ہر ذرے ذرے سے متعلق ہے۔ آگ، سردی سے بچاتی بھی ہے اور جلاتی بھی ہے۔ پانی، پیاس بھی بجھاتا ہے اور غرق کر کے تحت الثریٰ تک بھی پہنچاتا ہے۔ ہوا روح کو راحت بھی بخشتی ہے اور منھ بھی جھلس دیتی ہے۔

مٹی۔ گھر بنکر جسم و جان کی حفاظت کرتی ہے اور سر پہ گر کر زندہ در گور بھی کر دیتی ہے۔

وتس علیھا البواقی

غرض نفع و نقصان۔ سود و زیان۔ قبروں اور پیروں ہی تک محدود نہیں بلکہ مادّی کائنات کا ذرّہ ذرّہ مُفید اور مُضر دونوں پہلو برابر برابر رکھتا ہے۔

پھر ساری کائنات کی پُوجا کیوں نہ کی جائے ؟ اور کیوں ہر ایک کے آگے سرِ نیاز خم نہ کیا جائے۔

اِسلام کا جوہرِ فخر و مباہات توحید اور صرف توحید ہے یعنی احد پرستی۔ ایاك نعبد وایاك نستعین اور دوسرے باقی ارکان اُسی کے مفرعات ہیں۔ توحید اصل جذبہ ہے اور دوسرے ارکان مظہرِ جذبات ہیں۔

یحبون العاجلة ویذرون وراءھم یوما ثقیلا پر عمل کرنے اور کل کی مرغی پر آج کے انڈے کو ترجیح دینے والے ہم سے پوچھتے ہیں۔ اجی مولوی صاحب ہم فرض کر لیتے ہیں کہ مسلمانوں کو مرنے کے بعد بڑے بڑے درجے اور مقاماتِ عالیہ حور و جنت و غلمان سب کچھ ملیں گے۔ لیکن ہم عجلت پسند فائدہ عاجلہ کے خواہشمند آپ سے یہ دریافت کرتے ہیں کہ اِسلام یا توحید میں وقیتہ اور سردست کیا فائدہ ہے۔

توحید میں فی الجملہ کرامت کیا ہے — اِس دین کی دنیا میں ضرورت کیا ہے
ممکن ہے کہ بعد مرگ جنت مل جائے — یہ کہئے کہ زندگی میں راحت کیا ہے

ہم نے ابھی کہا ہے اور پھر کہتے ہیں کہ جانِ اِسلام توحید ہے۔ توحید کے عام معنی یہی ہیں کہ مادی کائنات اور اُس کی تمام مرئیات

اور جزئیات سے قطع نظر کرکے ایک ہستی مطلق محیط الکل کو اپنے تمام خوف ورجا کا مرکز قرار دیا جائے۔

خوش ہم سے رہے جاناں ہم عید اسے کہتے ہیں
بس ایک کے ہو جانا توحید اسے کہتے ہیں (ریاض امجد)

توحید سے فائدہ عاجلہ جو حاصل ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ انسان تمام دُنیا اور مافیہا کے نفع ونقصان کے غلط خیال سے علیحدہ اور ہزاروں لاکھوں پریشانیوں سے نکلکر ایک صحیح اور حقیقی مرکز کی طرف متوجہ ہوجاتا ہے۔ توجہ کی ہزاروں طرف منقسم ہونے والی نہریں ہر طرف سے سمٹ کر پورے زور اور طاقت کے ساتھ ایک ہی طرف چل پڑتی ہیں۔

قیام علی التوحید کے ساتھ ہی، اسی وقت، ٹھیک اسی وقت بغیر کسی وقفے کے، کن فیکون کی طرح ھواللہ احد کا اقرار کرنے والا، بلال (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی طرح حالت جانکنی میں احد احد کا دم بھرنے والا ہر کرب وعذاب کے دلدل سے نکل کر راحت دائمی اور سرور ابدی تک پہنچ جاتا ہے۔ اِسی لئے ہمارے طبیب رُوحانی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا ہے۔

من قال لا الہ الا اللہ دخل الجنۃ

یعنی قائل توحید، جنت (راحت ابدی) میں داخل ہو جاتا ہے۔

الذین قالو ربنا اللہ ثم استقاموا فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون

زندگی کی جان ہے۔ توحید میں — دِل کا اطمینان ہے توحید میں
توڑ دے آ جلد بشراک کا — ہے یہی مرہم دل صد چاک کا
جان و دل توحید پر قربان کر — زندگی اِس وید پر قربان کر
اصل مقصود ست، این تمہید نیست — دولت نقد ست این توحید نیست
مِٹ گیا جب اِعتبار کائنات — رہ گئی پیش نظر صرف ایک ذات
لاکھوں کا اسماء کا مسمیٰ ایک ہے — ہوگیا جو ایک کا وہ نیک ہے

نفع و نقصان پر اگر ہے چشم باز — پھر تو ہر اِک بندہ ہے بندہ نواز
کتنے قدموں پر جھکیگا ایک سر — ایک سر اور اتنے سودا، الحذر

عقل تجھکو اے دِل صافی نہیں
ایک کو کیا ایک رب کافی نہیں

رباعی

ساری دنیا سے ہاتھ دھو کر دیکھو — جو کچھ بھی رہا سہا ہے کھو کر دیکھو
کیا عرض کروں کہ اس میں کیا لذت ہے — ایک مرتبہ تم ایک کے ہو کر دیکھو

گھر وہاں سکونت یہاں

ایک مسجد میں چند نمازی بیٹھے ہوئے اِدھر اُدھر کی خوش گپیاں اُڑا رہے تھے۔ اتنے سے ایک بھکارن آنکلی، اور نمازیوں کو دیکھکر پکار اُٹھی۔

جوگن کی جھولی بھر دے او رام نام والے (ریاض امجد)

بھکارن کی صدا سُنکر نمازیوں کو بہت غصہ آیا، اور مسجد کے احاطے میں رام کا نام سُنکر مذہبی جذبے سے تپ سی چڑھ گئی۔ نہایت کرخت آواز میں ڈانٹ کر کہا اری پگلی! تجھے کچھ سوجھتا بھی ہے؟ رام وام کیا بک رہی ہے۔ یہ خدا کا گھر ہے، یہاں کیا رکھا ہے؟ نماز پڑھتی ہے تو آ، نہیں تو منھ کالا کر۔ غریب بھکارن، پیٹ کی ماری، گالیاں کھا کر بھاگ کھڑی ہوئی۔ اِدھر اُدھر گشت لگاتی شراب خانے میں جانکلی، جہاں ہر طرف ناے و نوش کا بازار گرم تھا ہر شخص، خدا اور خودی دونوں سے بے خود ہو کر کہہ رہا تھا۔

رات دن غرق طف ساقی ہے
پھر بھی اِس دِل میں جائے باقی ہے (ریاض امجد)

بھکارن نے یہاں بھی وہی صدا لگائی۔

جوگن کی جھولی بھر دے او رام نام والے

شراب کی مستی کیا کم تھی کہ بھکارن کی موسیقیت، اور نظم کی درد بھری کیفیت نے اور بھی بدمست بلکہ یہ مست بنا دیا دم بھر میں، شراب کے شیشوں کی طرح شرابیوں کی جیبیں خالی ہوکر بھکارن کی جھولی بھر گئی "اللہ دے، اور بندہ لے"!

اِنتہاری مسرت سے جھولی کیطرح بھکارن کا جی بھر آیا، اور آسمان کی طرف دیکھ کر چلّا اُٹھی۔

تو شہنشاہِ کون و مکان ہے | تیری کرسی زمین و زماں ہے
قہر تیرا، کرم بھی ہے تیرا | دیر تیرا، حرم بھی ہے تیرا
تو کبھی تو ہے بے صورتی میں | جلوہ گر ہے کبھی مورتی میں
مسجدوں میں ہے تنزیہہ تیری | مندروں میں ہے تشبیہ تیری

کون سمجھے تجھے؟ تو کہاں ہے
گھر، وہاں ہے، سکونت یہاں ہے

غتربود

ایک دفعہ مکہ معظمہ میں ہماری سلمیٰ نے بالوں میں کنگھی کر کے سر سے اُترے ہوئے بالوں کو، سر سے اُترے ہوئے بالوں کی طرح پھینکدیا، اسوقت ایک شامیہ عورت (جو شاید معلّمہ بھی تھی)

وہاں بیٹھی ہوئی تھی، اُس نے کہا کہ بالوں کو اِس طرح پھینکدینا جائز نہیں ہے۔

سلمیٰ نے پوچھا، پھر کیا کرنا چاہیئے؟

شاہیہ نے کہا، دفن کرنا چاہیئے؟

سلمیٰ نے پوچھا، اِس کا ثبوت؟

شاہیہ نے کہا، شعر یاخیرُ مَن دُفِنَت بِالقاعِ اَعظمہُ۔ (یعنی وُہ بال بہتر ہیں جو دفن کئے جائیں)۔

سلمیٰ نے کہا، واہ، واہ بال دفن کرنے کا کتنا قوی اِستدلال ہے، اگر کسی نے بلاغت ربود کو عنت ربود پڑھا ہو تو مقام تعجب نہیں۔ حالانکہ لفظ شعر، اصل شعر میں داخل نہیں ہے، بلکہ اصل شعر تو یاخیرُ مَن دُفنتُ بالقاع اعظمہا سے شروع ہوتا ہے جو نعتیہ ہے، جس کے یہ معنی ہیں کہ وہ زمین کیا ہی بہتر ہے جس میں آپ کا جسم اقدس دفن کیا گیا ہے الخ

خیر گزری، کہ سلمیٰ کچھ لکھی پڑھی تھیں، ورنہ اس اِستدلال کے بعد "دفن الشعر" اُن کے خیال میں ایک مذہبی حکم ہو جاتا۔

بن کے دنیا میں، عالِم نفظی جہل کے تخم بو رہے ہیں ہم
بن کے ملاح کشتی مذہب ڈوبتے کو ڈبو رہے ہیں ہم
اپنے ناپاک ہاتھ سے امجد! دامن خلق دھو رہے ہیں ہم!

۵

بلند اقبال

ہمارے ایک بزرگ دوست کے بلند اقبال اور ہونہار صاحبزادے گالیاں دینے میں کمال مشق رکھتے ہیں بغیر کسی ہجا کے مغلظ سے مُغلظ گالیاں اُن کی زبان درفشان سے نہایت روان روان ادا ہوتی ہیں۔

اِن گالیوں کی بوچھاڑ کبھی عوام پر ہوتی ہے۔ کبھی خواص پر اور وہ بھی باپ کے بالمقابل بلکہ بعض وقت خود حضرت قبلہ اور قبلی بھی تختۂ مشق بن جاتے ہیں۔ اندھی محبت کانوں میں انگلیاں دیکر مُنہ میں گھنگنیاں بھر دیتی ہے۔ سنتے ہیں اور چُپ رہ جاتے ہیں۔ حبك الشی یعمی ویُصم۔

کئی دفعہ ہم بھی نشانہ بن چکے ہیں۔

ایک دفعہ وہی صاحبزادہ صاحب کسی کو گالیاں دے رہے تھے اور اُس وقت ہم بھی موجود تھے پیر و مُرشد کے صاحبزادے کو ڈانٹنے کی کیا مجال تھی۔ البتہ ہم نے نہایت لجاجت اور منت سے عرض کیا۔

میاں! گالیاں دیکر اپنی پاک زبان کو گندہ کرنا شریفوں کا شیوہ نہیں ہے۔

جس کے جواب میں بلند اقبال نے ہم سے بگڑ کر پوچھا "کیا ہمارے باوا اماں شریف نہیں ہیں"؟۔ کیونکہ وہ بھی تو سخت سے سخت گالیاں دیا کرتے ہیں۔

ہم نے گھبرا کر کہا۔ تم کو باپ ماں کی کیا فکر ہے؟ اور باپ ماں کی تقلید کی کیا ضرورت ہے۔؟

لڑکے نے کہا۔ تو پھر ہم کس کی تقلید کریں؟ رہنا باپ کے پاس۔ سہنا باپ کے پاس۔ کھانا باپ کے پاس۔ سونا باپ کے پاس تو اب ہم اُن کے قدم بہ قدم نہ چلیں تو پھر کیا کریں؟

سچ تو یہ ہے کہ ہم لڑکے کے اِس جواب سے لاجواب ہو گئے پھر بھی کھسیانے پن سے یہی کہتے رہے کہ خیر کچھ بھی سہی۔ مگر تم کو تو گالیاں نہ دینی چاہئے۔

لڑکے نے کہا افسوس ہے آپ ہم کو سمجھاتے ہیں مگر ہمارے اماں باوا کو منع نہیں کرتے۔

آپ اچھی طرح یاد رکھئے جب تک ہمارے اماں باوا گالیاں دینا نہ چھوڑیں گے ہم سے بھی یہ عادت چھوٹ نہیں سکتی۔

بچے کا جواب ایسا نہیں تھا جس کا ہم پھر کوئی جواب دے سکتے اپنا سا منہ لئے خاموش رہ گئے۔

اب اُنکے اماں باوا کو کون سمجھائے جو گالیاں دینے کو باب العرفان سمجھتے ہیں۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

ایک دفعہ ہم نے سر سید مرحوم کو خواب میں دیکھا تھا کہ وہ کسی بڑے شہر کے ایک وسیع میدان میں کھڑے ہیں جس کے اطراف ایک لوہے کی جالی سی لگی ہے۔

سید مرحوم اِس شہر کے ہر گھر میں دَرانہ گھس جاتے ہیں اور اُس گھر کے رہنے والوں میں صرف ماں اور باپ کو گھر سے باہر نکال کر اِس وسیع میدان میں جمع کرتے جاتے ہیں۔

تھوڑی ہی دیر میں سارا میدان ہزاروں زن و شوہر سے بھر گیا۔

ہم نے پوچھا۔ جناب یہ کیا ہو رہا ہے؟ اور اِس کارروائی سے آپ کا کیا منشاء ہے؟

آپ لڑکوں کی تعلیم چھوڑ کر ان بڈھوں کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں

سید صاحب نے کہا کہ میرا پہلا طریقۂ عمل محض بیکار ثابت ہوا۔ صرف لڑکوں کی تعلیم کا خیال سراسر باطل نکلا۔ جب تک لڑکوں کے والدین کی تعلیم نہ ہوگی اولاد کی اصلاح کبھی نہیں ہوسکتی اِس لئے۔ پہلی بنیاد ڈھا کر اب نئی عمارت تعمیر کر رہا ہوں۔

جب والدین سنبھل جائیں گے اُن کے ماحول میں اولاد کی بھی اصلاح ہو جائیگی۔ محض پتوں اور ڈالیوں کو پانی دینے سے درخت بار آور نہیں ہوسکتا۔ پانی کی ضرورت تو اصل جڑ کے لئے ہوتی ہے۔ جب پانی جڑوں

میں پہنچ جاے تو باقی برگ و ثمر آپ ہی آپ شاداب ہو جاتے ہیں حیرت اور سخت حیرت ہے کہ بعض والدین خود افعال ناشائستہ میں مبتلا رہتے ہیں اور اپنی اولاد کو اُن افعال سے روکتے ہیں۔ ایسی نصیحت کا کسی پر کیا اثر ہو سکتا ہے۔

اتأمرون الناس بالبر وتنسون انفسکم

تم عام پسند حتی الامکان بنو ﴿﴾ صورت ہے تو سیرتاً بھی انسان بنو
اسلام کی تبلیغ پہ اک کافر نے کہا ﴿﴾ حضرت! خود آپ تو مسلمان بنو

سنتا ہوں کہ ہے آپ کو اے حضرت امجد ﴿﴾ ہمدردیٔ عالم
غم آپ کے دل میں ہے مسلمانوں کا بیحد ﴿﴾ اپنا تو کرو غم

ہرچند کہ ہے آپ کی تقریر دھواں دھار! ﴿﴾ کچھ بھی نہیں حاصل
کیا خوب؟ کہ ہیں آپ مسلمانوں کے غمخوار ﴿﴾ خود دین سے غافل

اقرار زباں پر ہے، مگر دل میں ہے انکار ﴿﴾ کیا دین یہی ہے
ملتی ہی نہیں آپ کی گفتار سے رفتار ﴿﴾ کیا بات کہی ہے

تقریر غلط، دل میں سما سکتی ہے کیونکر ﴿﴾ سمجھاؤ بہر طور
جب تک نہ جلے آگ، جلا سکتی ہے کیونکر ﴿﴾ تم خود ہی کرو غور

اندھے کو بھی لو شوق ہوا راہبری کا — کیا راہنما ہے!!
سودا ہوا بیمار کو بھی چارہ گری کا — اب پوری شفا ہے

اِسی مرشد زادے کے قصّے کے سلسلے میں، بڑی بیگم کا قصّہ بھی سُن لیجئے۔

بڑی بیگم

ایک دفعہ سلمٰی کی ایک دوست مہمان آئیں، جن کے ساتھ مامائیں بھی تھیں، بیگم صاحبہ اپنی شان امارت کی نمائش میں، جب کسی خادمہ کو بلاتیں، گالی، پہلے ہوتی اور بات، پیچھے، اری . . . . ادھر آ، اری . . . . . پاندان لا، اری . . . . پانی پلا پیٹ کی ماری غریب مامائیں خون کے گھونٹ پیکر رہ جاتیں مگر دم نہ مار سکتیں؛

کالے کے آگے چراغ نہیں جل سکتا، بیگم صاحبہ کے سامنے زبان نہ ہل سکتی تھی، سلمٰی اپنی مہمان عزیز کا یہ رنگ ڈھنگ دیکھکر تھوڑی دیر کے لئے تو دنگ ہوکر رہ گئیں پھر نہایت نرم لہجے میں عرض کیا۔

میری پیاری بہن:——

ہیں ایک ہی زنجیر کڑیاں ہم تم — جس نے عالم کو غیر سمجھا، چوکا
منھ اپنا کیا خراب، گالی دیکر — تم نے میلا چبا کے، منھ پر تھوکا

(ماخوذ از جمال امجد)

ننھی نادان

ایک دفعہ دوپہر کے وقت گرمی میں تپے ہوئے، ایک دوست کے ساتھ ہم ایک شربت والے کی دوکان پر پہونچے دوکان نہایت صاف اور ستھری، میز کرسی سے سجی ہوئی تھی، قدم قدم پر قد آدم آئینے لگے ہوئے تھے، شربت والے کو آرڈر دیکر ہم ایک کرسی پر بیٹھ گئے۔

یکایک ایک ننھی منی، کالی کلوٹی، لمبی چونچ، سیاہ چمکدار پروں والی چڑیا آئینے کے قریب آبیٹھی؛ دوپہر کی روشنی، صاف شفاف جلبی آئینہ، چمکیلی چڑیا، کوئی حجاب نہیں، پردہ نہیں، پھر اپنی رویت میں کیا امر مانع تھا؟ عکس پڑا، اور وہ بھی کانہ ہو، آئینے میں بلاکم و کاست دوسری چڑیا نمودار ہوگئی۔

دیکھتے دیکھتے، ایک کے دو ہو گئے ؎

پردۂ ظل میں، نہاں ذی ظل ہوا فرق عکس و شخص میں مشکل ہوا

یکتائی پسند فطرت، اپنے مقابل دوسرے کو دیکھنا کب گوارا کرسکتی ہے؟ مقابلے کی ٹھیر گئی۔ اِدھر اس نے پر تولے، اُدھر بلاکم وکاست اسی کیت وکیفیت کے ساتھ اوس (عکس) نے بھی مستعدی ظاہر کی اِدھر اُس نے چونچ سے زخم کاری لگایا۔ اِدھر اُسنے

اسی زور و شور سے جواب دیا؛

برابر کی چوٹیں چلنے لگیں، نہ اُس کو ظفر، نہ اُس کو خطر، سانس پھول گیا، چونچ زخمی ہوگئی، منہ لہولہان ہوگیا آئینے کے شفاف جوہر میں خونی رنگ جھلکنے لگا۔

دس منٹ نہیں بیس منٹ نہیں، بلکہ اس سے بھی زیادہ دیر تک کشتی ہوتی رہی۔

بڑے بڑے پہلوان بھی ہوتے تو اتنی دیر میں ادھ موے ہوکر رہ جاتے مگر ننھی چڑیا کی تیوری پر بل بھی نہیں آتا، برابر چوٹیں چلا رہی ہے، ہر ضرب سے "یا تو نہیں یا میں نہیں" کی آواز آرہی ہے آخر کب تک؟ اور کہاں تک ..... ننھی سی جان نیم مُردہ ہوکر زمین پر گر پڑی اور گر کر اُڑ گئی۔

خود ہی لڑی، خود ہی گری، خود ہی نے خود کو ہٹا کر عظیم الشان ہولناک جنگ کا چشم زدن میں خاتمہ کردیا۔

طالب ہو وجود کے، عدم سے نکلو — آزادی کی دُھن ہے، حبس دم سے نکلو
غم کے پنجے سے گر نکلنا چاہو — امجد صاحب! تم اپنے ہم سے نکلو

حقیقت ناشناش چڑیا نے اپنے آپ کو اپنا غیر سمجھا۔ کسی کی شکایت نہیں، کسی کا زور نہیں، کسی کا ظلم نہیں، صرف اپنے ہاتوں اپنے آپ کو تباہی میں ڈالا۔ اپنے پاؤں سے آپ کانٹوں میں جا پڑی

جمعیت میں تفرقہ اندازی، وحدت میں دوئی پیدا کرنے کا لازمی نتیجہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے جو چڑیا کو بھگتنا پڑا۔

یاں عرش سے فرش تک کوئی غیر نہیں　　یاں کعبہ و دیر میں، کوئی بیر نہیں
بزم وحدت میں، غیر کا نام نہ لو　　جب غیر کا ذکر آگیا خیر نہیں

۵۵

داڑھی

ایک پیر صاحب نے بھرے مجمع میں، ہماری تراشیدہ داڑھی پر سخت نا تراشیدہ الفاظ سُنا دیے تنہائی کی بات ہوتی، تو خیر کوئی بات نہ تھی، ہم فوراً اپنے قصور کا اعتراف کر لیتے؛ لیکن عام مجمع میں جمعیت خاطر منتشر ہو گئی اور ہم نے جھنجلا کر کہا؛

مولوی صاحب! یا پیر صاحب! اِسوقت تو معاف فرمائیے۔ ہم داڑھی اور گناہ، دونوں چیزیں ایک ساتھ چھوڑنا چاہتے ہیں، بغیر محاسن (اعمال نیک) کے اپنی سیہ کاریوں سے محاسن (داڑھی) کے نورانی اور چمکدار چہرے کو داغدار نہیں بنانا چاہتے۔

پیری میں بھی، تبدیلی فطرت نہ ہوئی　　اعمال سیاہ سے خجالت نہ ہوئی
فرق آیا نہ بال بھر، سیہ کاری میں　　داڑھی رکھنے کی، کوئی صورت نہ ہوئی

اِک دوست مرا، جو پیر صد سالہ ہے ریش اُس کی سپید روئی کا گالا ہے
کہتا ہے، سپید ہو گئے بال، تو کیا؟ لیکن، دِل تو اِسی طرح کالا ہے

ھ

حاضر غائب

ایک مسجد میں، عشاء کے وقت ایک صاحب ریش دفش کو لباس مذہبی سے آراستہ اور جبہ و عمامہ پیراستہ دیکھکر سب نمازیوں نے امام بنایا۔

امام صاحب نے پہلی ہی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد، قرآن کریم کی آخری سورۃ الناس کو ضم کر دیا، دیکھئے دوسری رکعت میں کیا صورۃ پیش آتی ہے۔

ختم سورۃ کے بعد رکوع ہوا، رکوع کے بعد سجدہ، سجدہ، ہاں سجدہ، کامل سجدہ، پہلی رکعت کا پہلا سجدہ، سبحان ربی الاعلیٰ، سبحان ربی الاعلیٰ، ایک بار، دو بار، دس بار، پندرہ بار، بیس بار۔

نہ تکبیر کی آواز آتی ہے، نہ سجدے سے سر اُٹھتا ہے۔

یا اللہ خیر۔

کب تک؟ آخر کب تک؟ آخر تنگ آکر ایک مقتدی صاحب نے ہمت کر کے سر اُٹھا ہی دیا؛

سر اُٹھاتے ہی کیا دیکھا؟ تماشا، بالکل عجیب تماشا، یعنی؟ غائب بالکل غائب، حضوری قلب کے موقع پر امام صاحب، اپنی جوتیوں سمیت غائب۔

دل برداشتہ، یا سر برداشتہ مقتدی نے حیرت سے مُنہ کھول کر کہا، ارے یہ کیا؟

اُن کی اِس آواز نے تکبیر کا کام کیا، اور دوسرے مقتدیوں کے سجدے میں پڑے ہوئے سر ایک بار پھر بلند ہو رہے اور بند آنکھیں کھلیں، اور کھلی آنکھوں سے مُومنین بالغیب نے، بعین الیقین وہی غائب تماشا دیکھا سب ہنستے ہنستے لُوٹ گئے، لوٹتے لوٹتے پیٹ میں بل پڑ گئے۔

آخر نماز اِس شعر پر جا کر ختم ہو رہی۔

یہ تماشا بھی عجائب ہو گیا ـــــ جو ابھی حاضر تھا غائب ہو گیا

پنجۂ مکر میں، غارت گر نے زلف کی طرح مروڑا مجھ کو

ناخدا کا مرے کیا کہنا ہے عین منجدھار میں چھوڑا مجھ کو

———✦———

گستاخ فقیر

کسی مسجد میں نمازِ جمعہ کے وقت، ایک پیرِ طریقت، مدعی معرفت کے برابر، ایک ہم ساشکستہ حال دریدہ لباس، حقیر فقیر بھی جا کھڑا ہوگیا۔ توبہ توبہ بے وقوف نے ایسی ہاتھی جیسی عظیم ہستی کو بھی اپنے مماثل سمجھ لیا اُن کے مریدانِ عقیدت مند، ایسا جرم عظیم، ایک ذلیل تر حقیر سے دیکھنے کی کہاں برداشت کرسکتے تھے،

اِس حدیث کے فقرۂ اول کے تحت، کہ جب تم کوئی بُرا کام دیکھو، ہو سکے تو ہاتھ سے روکو، ورنہ زبان سے، ورنہ کم ازکم دل ہی میں بُرا سمجھ لو) گناہ گار کو جہنم کی آگ سے بچانے کے لئے پیر صاحب کے اِشارے سے فوراً ہاتھ پکڑ کر پیچھے کھینچ لیا۔

عین اُسی وقت امام صاحب نے وَاسْتَوُوا صُفُوفَکُم (اپنی صفوں کو برابر کرو) کا نعرہ لگایا خود سر فقیر فوراً بڑھ کر، پھر حضرت مقدس کے دوش بدوش جا کھڑا ہوا اور نماز کے لئے ہاتھ باندھنے سے پہلے شاہ صاحب کے سامنے دست بستہ ہو کر کہنے لگا۔

یا حضرت!

مسلم ہو، تو مسلم کو برادر سمجھو
ہر ذرّے کو خورشید کا مظہر سمجھو
کیوں ہوتی ہیں مستوی صفیں وقتِ نماز؟
یعنی، ہر ایک کو برابر سمجھو

ھ

وجہ تکلیف

ہم ایک دفعہ اِس امر پر غور کر رہے تھے کہ دنیا میں تکلیف کا وجود کیوں ہے۔

ہماری سلمیٰ مرحومہ ہوتیں تو اُن سے پوچھتے۔

یہی سوچتے ہوئے آنکھیں بند کرکے لیٹ گئے، آنکھ بند ہوتے ہی بی سلمیٰ موجود ہوئیں۔

ہم سے پوچھا "صاحب آپ کیا سوچ رہے ہیں؟"

ہم نے کہا "یہی کہ دنیا میں تکلیف کیوں ہے؟"

سلمیٰ نے کہا "کن فی الدُنیا کانک غریب" کے تحت ہر شخص دنیا میں سفر کر رہا ہے۔

جب تک مسافر سفر میں ہے گویا سقر میں ہے، اصل منزل پہ پہونچنے تک اُس کو کبھی صحیح آرام نصیب نہیں ہوسکتا۔

ہر محفل سے بحال خستہ نکلا ہر بزم طرب سے دل شکستہ نکلا
منزل ہی نہیں یہاں مسافر کیلئے سمجھا تھا جسے مقام، رستہ نکلا

خیالِ باطل

اِسی طرح ایک دفعہ سلمائے مرحومہ کی علالت کے زمانے میں ہم ایک مجذوب صاحب سے دعائے صحت کے خواستگار ہوئے مجذوب صاحب نے کہا، اب صحت کی جگہ غسل میّت کا انتظام کیجئے۔

اِس واقعہ کے دو روز بعد سلمٰی کا اِنتقال ہوگیا، اور ہمارے دل میں یہ بات جم گئی کہ،

مجذوب جو کہتے ہیں وہی ہوتا ہے

دوسری رات، بی سلمٰی خواب میں آپہونچیں، اور مُسکراکر کہا کیوں صائب؟ مجذوب جو کہتے ہیں وہی ہوتا ہے؟۔

ہم نے کہا، اور کیا؟ دیکھو، تمھاری موت کی خبر دی، اور تم مرگئیں۔

ہنسکر کہا، واہ صائب! آپ لکھ پڑھ کر بھی اَن پڑھ ہی رہے۔ امجد! میرے بھولے بھالے امجد! سُن میری بات غور سے سُن؛

سرمایۂ توحید کو کیوں کھوتا ہے — تو اتنے جھنجوڑنے پہ بھی، سوتا ہے
مجذوب جو کہتے ہیں، وہ ہوتا ہے غلط — مجذوب وہی کہتے ہیں، جو ہوتا ہے

بندگیِ بیچارگی

ہم نے اِک روز، اپنی سلمٰی سے کہا

ہم، جی سکتے ہیں، اور نہ مر سکتے ہیں

پیمانۂ زندگی، کسی صورت بھی

خالی کر سکتے ہیں، نہ بھر سکتے ہیں

پھر تم ہی کہو، کہ کیا کریں ہم، آخر؟

ہنس کر کہا "کچھ آپ بھی کر سکتے ہیں"

ھ

ہمت مردانہ

ہر چیز مُسبّبِ سبب سے مانگو　　منت سے خوشامد سے ادب سے مانگو
کیوں غیر کے آگے ہاتھ پھیلاتے ہو　　بندے ہو اگر رب کے تو رب سے مانگو

تفصیل کے لئے ذیل کا قصہ ملاحظہ ہو۔

تھا اِک شاہ عالی مقام　　اکبر شہ تھا اس کا نام
ملک سے نکلا بہر شکار　　لیکر پیدل اور سوار
بادشہ پھرتا تھا بن بن　　سامنے آیا ایک ہرن
ڈالا گھوڑا اس کے لئے　　سب کو چھوڑا اس کے لئے
آخر تھک کر رہ گیا شاہ　　آ ہو نے لی اپنی راہ
ہمراہی سب چھوٹ گئے　　پائے ہمت ٹوٹ گئے
پیاس سے باہر نکلی زبان　　دھوپ میں تھا ہر سو نگران

پاس تھا اِک دہقان کا گھر　　ٹھہرا اکبر واں جا کر
پانی پلایا دہقان نے　　کھانا کھلایا دہقان نے

بادشہ واں سے چلتے ہوئے　　کہنے لگا یوں دہقان سے
تم کو ہو گر تکلیف کبھی　　آنا ریاست میں میری

جب ہوئی اسکو اک مدت — آئی دہقان پر آفت
کردی قحط نے پامالی — چھا گئی ہر سو بدحالی
مر گئے گائے اور بیل تمام — برہم ہو گیا سارا نظام
ہو گیا کھانے کو محتاج — کل کیا تھا۔ کیا ہو گیا آج

نکلا گھر سے بحال تباہ — یاد تھا نام اکبر شاہ
سب سے اس کا پتہ پوچھا — شاہی محل تک جا پہنچا

شاہ کو اس کی خبر پہنچی — پاس بلایا۔ عزت کی
شاہی محل کی دیکھ کے شان — ہو گیا بیچارہ حیران

پوچھا اس نے اکبر سے — تم کو یہ سامان کس نے دیئے
شاہ نے اُس سے فرمایا — سب کچھ ہے یہ خدا کا دیا

سنتے ہی یہہ وہ بیچارا — درد سے اک نعرہ مارا
نکلا واں سے بحال تباہ — رہ گیا حیران اکبر شاہ
شاہ نے پوچھا دہقان سے — کیوں آئے تھے ؟ کیسے چلے
زر، زیور، سونا، روپا — تم جو مانگو میں دونگا

بولا دہقان اے توبہ — مانگے بندے سے بندہ؟
کیا میں ہنیں بندہ اُس کا — کیا وہ ہنیں ہے میرا خدا

وہ ہے مالک شاہ وگدا — وہ ہے جگ کا ان داتا
اس سے تو ایسی آسا ہنیں — تم کا دیت، اور ہم کا ہنیں

عبد اعظم

دورِ عمرؓ کا سنئے قصّہ — عدل وکرم تھا جن کا حصّہ
اونٹ اِک بیت المال کا بھاگا — جس کا نہ تھا کچھ آگا پیچھا
فاروقؓ اس کو ڈھونڈ رہے تھے — دوڑ رہے تھے اونٹ کے پیچھے

عرض کسی نے کی یہ اسدم — آپ تو ہیں فاروقؓ اعظم
حکم غلام کو کیوں نہیں دیتے — تاکہ وہ جاکر اونٹ کو ڈھونڈے
سُن کے عمرؓ نے یہ فرمایا — میں بھی ہوں اُس کا ادنیٰ بندہ

خادم ہوں میں، قوم کا اپنی

اِنّی عَبدٌ اَعبدُ مِنّی؟

مجھ سے زیادہ تر کون غُلام ہے؟

ھ

محمد اللہ

ہمارے ایک دوست حال ہی میں مرشد اعظم بن بیٹھے ہیں اُن کی شان عظمت یہاں تک سُنی گئی ہے، کہ وہ جس کو چاہتے ہیں دوزخ میں، اور جس کو چاہتے ہیں جنت میں داخل کر سکتے ہیں۔
اُن کی یہ تعلیاں، یہ لن ترانیاں سُن کر ہمارے تو آئے حواس غائب ہو گئے، ہم نے کہا اب تو اُن کو الحمد للہ کی جگہ الحمدلنا کہنا چاہیئے۔

افسوس

کس زور سے ہم اپنی ثنا کرتے ہیں — دیکھیں تو ذرا غور سے، کیا کرتے ہیں
جو لوگ کیا کرتے ہیں تعریف اپنی — در اصل، وہ تحقیر خدا کرتے ہیں

اپنی حد سے زیادہ دعوے نہ کریں — من ہم ہستم، کا نعرہ مارا نہ کریں
سر جا کے نہ آسماں سے ٹکرا جائے — اتنا بھی حضور! آپ کو اونچا نہ کریں

۵

لینا دینا

ہمارے ایک دوست کی حسین مہ جبین، پری جمال بیوی، یکایک دنیا سے اٹھ گئی، ہمارے دوست کو اس قدر صدمہ ہوا کہ تمام کاروبار چھوڑ، یاروں توڑ کر، گھر کی چار دیواری میں زندہ درگور ہو گئے۔

بہتوں نے بہت کچھ سمجھایا، خاک سمجھ میں نہ آیا۔

ایک دن ہم بھی پہونچ گئے اور معمولی تعزیت کے بعد کہا کہ ہم نے ایک رباعی خاص آپ کے لئے لکھی ہے، حکم ہو تو سنا دیں؟

زہریلے تبسم کے ساتھ کہا، اچھا، سنائے۔

ہم نے عرض کیا۔

دنیا میں دھرا ہی کیا ہے، لینا دینا قانون بنا ہوا ہے لینا، دینا
جو چیز بھی لو، پھر اسکو دینا ہی ضرور ہر سانس بتا رہا ہے، لینا، دینا

سبب مرگ

ہمارے ایک ہونہار اور نوجوان عزیز کا سال بھر کی علالت اور کامل علاج کے بعد انتقال ہو گیا، مرنے والا مر گیا مگر ڈاکٹروں اور طبیبوں کو نہ مرض سمجھ میں آیا نہ موت کا کوئی خاص سبب معلوم ہو۔

دولت سے کبھی نصیب راحت نہ ہوئی زر کی کثرت سے کم مصیبت نہ ہوئی
ہم مرہی گئے، طبیب بیٹھے ہی رہے کچھ عقل سے جان کی حفاظت نہ ہوئی

ایک دن ہم بھی وہاں جا پہونچے اور مرحوم کے اسباب موت پر گفتگو ہونے لگی۔

ہم نے کہا:

نفس تیز کی ہواؤں سے عمریں، بحر کی روانی سے
دور جانے کی کیا ضرورت ہے سبب موت، زندگانی ہے

زلزلہ

ہندوستان میں زلزلہ آیا، زمین ہل گئی، مکانات گر گئے، مکین دب گئے، سمجھے کہ قصّہ ختم ہو گیا، مگر، نہیں، جبتک ہم ہیں، اگر زلزلہ نہیں تو زلزلہ خیز آفتیں تو ہمارے ساتھ ضرور ہیں

ہر دم، دم خنجر پہ گلا ہے گویا ساتھ، آٹھ پہر، ایک بلا ہے گویا
ہر وقت تڑپ رہا ہے دل پہلو میں جسم خاکی میں زلزلہ ہے گویا

عجیب گھڑی

ہمارا تجربہ ہے کہ رمضان المبارک میں علی العموم چلتی ہوئی گھڑیاں بھی بے سبب بند ہوجاتی ہیں حالانکہ ضرورت کے اعتبار سے اِس مہینے میں بند گھڑیوں کو بھی چل پڑنا چاہیئے تھا۔

اِسی مہینے میں ہماری پچیس سال کی رفیق گھڑی بھی بند ہوگئی۔ بہت کچھ اُلٹ پلٹ کرتے رہے۔ کمانی کو دبایا۔ اوزاروں کو ہلایا۔ چاقو سے۔ قینچی سے۔ سوئی سے۔ سلائی سے۔ اِس سے اُس سے۔ ہر پُرزے کو جگہ سے ہلا دیا۔ مگر گھُنّی گھڑی منہ سے نہ بولی ہزار تازیانوں پر بھی اڑیل ٹٹو کی طرح اڑی ہی رہی۔

سب مراحل ختم کرکے اب صرف پتھر پر ٹپکنا یا پتھر سے کچلنا باقی رہ گیا تھا لیکن اُس سے پہلے ہم نے کہا کہ لاؤ ایک نظر گھڑی ساز کو بھی دکھالیں۔ گھڑی لئے گھڑی ساز صاحب کی دکان پر پہنچے دکان پر گھڑیوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ اچھی سے اچھی گھڑی خراب حالت میں پڑی ہوئی تھی۔ گھڑی ساز صاحب کو کسی سے بات کرنیکی فرصت نہ تھی ..... تاہم ہماری طرف متوجہ ہوئے۔ ہم نے گھڑی پیش کی اُنہوں نے ہمارے سامنے ہی اُس کی درستی میں بہت کوشش کی مگر کانوں میں اُنگلیاں دی ہوئی گھڑی کسی کی کب

سننے والی تھی۔ کانوں میں تیل ڈالے بیٹھی رہی۔ آخر تھک کر گھڑی ساز صاحب نے کہا کہ گھڑی کے تمام کل پُرزے بالکل بگڑ گئے ہیں۔ اب رمضان میں اس قدر فرصت نہیں ہے۔ رمضان کے بعد آئیے تو اسکو ٹھیک کر دوں گا۔ واہ سبحان اللہ کیا کہنے ہیں۔ ضرورت تو رمضان میں ہے اور آپ رمضان کے بعد بنا دینے کا وعدہ کرتے ہیں۔

ایک دفعہ ایک، گژدم گزیدہ عورت روتی پیٹتی رات کے گیارہ بجے ہمارے مکان کے دروازہ پر آری اور ہمارے آدمی سے کہا کہ اپنے صاحب کو خبر کردو اور اُن سے کہو کہ تھوڑی دیر کے لئے باہر آکر میرا بچھو اُتار جائیں۔ ہمارے آدمی صاحب کہتے کیا ہیں "صاحب اس وقت سو رہے ہیں جاؤ سویرے آؤ۔"

کیوں کیا معقول جواب ہے . . . . ہمارے گھڑی ساز صاحب کا جواب بھی اس سے کچھ کم نہیں ہے واہ جی واہ۔

الحاصل ہم اپنی گھڑی لئے دانت پیستے ہوئے گھر واپس ہوئے۔ تقریباً آٹھ روز تک گھڑی اسی کس مپرسی میں جیب میں پڑی رہی۔ ایک دن باہر سے آنے کے بعد شیروانی کھونٹی سے لگاتے وقت گھڑی جیب سے باہر نکل پڑی۔ زنجیر گلے میں نہ پڑی ہوتی تو شاید پتھر پر گر کر چکنا چور ہو جاتی۔ ہم اس واقعہ سے بیخبر شیروانی کھونٹی سے لگا تخت پر جاکر دراز ہوگئے۔

تھوڑی دیر بعد ہماری بیوی صاحبہ ادھر سے ہو کر گزریں۔

کچھ موہوم سی چک چک کی آواز سنائی دی نظر اُٹھاکر دیکھا تو گھڑی جیب سے نکلی ہوئی پائی۔ کان لگاکر سُنا تو گھڑی چلنے کی آواز آئی فرطِ مسرت میں مجھے پکار کر کہا۔ لو صاحب مٹھائی کھلاؤ۔ آپ کی پاؤں ٹوٹی گھڑی پھر چل رہی ہے۔

آپ ہی کہیئے میں اِس بات کو کس طرح باور کرسکتا ہوں لکھا پڑھا مرد ہوکر ایک جاہل عورت کے مستبعد عن العقل بیان پر کس طرح ایمان لاسکتا ہوں اگر میں کہوں کہ مردہ زندہ ہوگیا۔ یا ایک پر و بال شکستہ پرند اُڑ گیا یا ایک کل پُرزے ٹوٹی اور آٹھ روز سے بند پڑی ہوئی گھڑی بغیر کسی اندرونی اور بیرونی سبب کے اپنے وقت پر آپ ہی آپ چل گئی اور اب تک صحیح طور پر برابر چل رہی ہے تو اُس کو کون باور کرسکتا ہے؟

لیکن کِسی کا اِنکار میرے لئے مضر نہیں اور اقرار بھی غیر مفید ہے۔ میری گھڑی میرے دل کے ساتھ ساتھ رہنے والی گھڑی تو چل رہی ہے اور انشاء اللہ کسی باطنی قوت پر پھر اپنے وقت تک برابر چلتی اور بجتی رہیگی۔

ہاں اے گھڑی بجے جا کام اپنا توکئے جا

او پیکرِ ہدایت! او رہ دکھانیوالی | او کام پر ہر اک کو اپنے لگانے والی
او آپ پہلے چلکر ہم کو چلانے والی | گم گشتہ کارواں کو منزل پہ لانیوالی

ہاں اے گھڑی بجے جا کام اپنا توکئے جا

ہمراہ میرے دل کے تو بھی صدا دئے جا

درگاہ ذوالمنن میں میں بھی تو سر جھکاؤں
دنیا کی کشمکش سے دم بھر نجات پاؤں
آواز تیری سنکر تکیئے سے سر اُٹھاؤں
میں محو خواب غفلت شاید کہ جاگ جاؤں
ہاں اے گھڑی بجے جا کام اپنا تو کئے جا
ہمراہ میرے دل کے تو بھی صدا دے جا

اس وقت اک اُداسی دُنیا میں چھا رہی ہے
بستر پہ اپنے دُنیا آرام پا رہی ہے
چپ چپ کی ہر طرف سے آواز آ رہی ہے
میری گھڑی برابر ٹک ٹک سنا رہی ہے
ہاں اے گھڑی بجے جا کام اپنا تو کئے جا
ہمراہ میرے دل کے تو بھی صدا دئے جا

ہٹتی نہیں جگہ سے کرتی ہے گو سفر تو
دن ہو کہ رات یکساں چلتی ہے بے خطر تو
کرتی ہے ہم کو آگہ ہر لحظہ ہر پہر تو
دیتی ہے غافلوں کو ہر وقت کی خبر تو
ہاں اے گھڑی بجے جا کام اپنا تو کئے جا
ہمراہ میرے دل کے تو بھی صدا دئے جا

نقارہ کوچ کا تو ہر دم بجا رہی ہے
دے دیکے چھینٹے گویا مجھکو جگا رہی ہے
دل کے قریب، ادھر تو ٹک ٹک سنا رہی ہے
پاس نفس کی مجھکو کیفیت آ رہی ہے
ہاں اے گھڑی بجے جا کام اپنا تو کئے جا
ہمراہ میرے دل کے تو بھی صدا دئیے جا

۴

وجہ نماز

ایک دفعہ لاہور کے ایک نوجوان، نیوفیشن بیرسٹر صاحب ہم سے ملنے کے لئے تشریف لائے۔

مختلف پہلوؤں پر گفتگو ہونے کے بعد فلسفہ نماز پر بحث ہونے لگی، بیرسٹر صاحب نے کہا، مولانا! ہم نماز کیوں پڑھیں، ہم کو اس کی کیا ضرورت ہے۔؟

ہم نے کہا، اگر آپ خدا، اور اس ہستی مطلق کے قائل ہیں جس کے زیر اثر آپ اپنی زندگی کے جبری سانس لے رہے ہیں، تو آپ کی نماز دو حال سے خالی نہ ہوگی۔

آپ کے وقت کا ½ حصہ اگر راحت و مسرت میں گزرا ہے تو نماز اس راحت و مسرت کا شکریہ متصور ہوکر موجب مزید نعمت و مسرت ہوگی۔ اور غیر نمازی، احسان فراموش کہلائیگا۔

اگر وقت کا حصہ تکلیف اور مصیبت میں کٹا ہے تو نماز رفع تکلیف و مصیبت کی دعا متصور ہوکر رفع تکلیف کا سبب ہوگی الحمدللہ کہ ہماری بات، ہمارے دوست کے سمجھ میں آگئی۔

پیراہن کبر چاک ہو جاتا ہے
نفسِ سرکش، ہلاک ہو جاتا ہے

مُسلم کے لیئے عجیب نعمت ہے نماز
سر خاک میں رکھ کے پاک ہوجاتا ہے[1]

۵

پُرفن دُہوبن

ایک دفعہ ہم، سانوریا، چولا میلا ہوئے، دور دور کہت سب اپنے بگانے۔ کون اب اِس کو دُہوے؟ سانوریا چولا میلا ہووئے گاتے گاتے، عالم خواب میں دُھوبیوں کے گھاٹ پر جانکلے دیکھا کہ بیسیوں دُہوبی گھاٹ پر چھوا چھو کپڑے دہو رہے ہیں۔ وہیں ہماری اپنی دہوبن بھی ہمارے جیسے میلے کچیلے کپڑوں کو تپھر پر ٹپک رہی تھی ہم نے اپنی دہوبن کو دیکھ کر کہا دہوبن! تم کو کپڑے لیجا کر کتنا زمانہ ہوا مگر تم اتبک کپڑے لیکر نہیں آئیں۔

دہوبن نے کہا، میان! کپڑے تو دُھل کر تیار ہو چکے ہیں مگر مجھے فرصت نہیں ہوری، اور اب بھی مجھے بہت کام ہے۔ مہربانی کرکے آپ ہی لیجائیے۔

ہم اپنی پوزیشن اور نزاکت جسمی کے اعتبار سے اِنکار کرنے ہی کو تھ

---

[1] ارکان نماز پر ایک نظم طویل علیحدہ لکھی گئی ہے جو رسالہ معارف کے کسی نمبر میں طبع ہوری ہے خدا نے چاہا تو وہ بھی کبھی علیحدہ طور پر شایع کر دیجائیگی۔ ۱۲

کہ سانولی سلونی دہوبن کی سحر آفرین آنکھوں نے چپکے چپکے نہ معلوم کیا جادو کر دیا کہ ہم سرِ تسلیم خم کر کے کھڑے ہو گئے۔ ظالم دہوبن نے زمین و آسمان کا سارا بوجھ ہمارے سر لاد دیا؛ ہم اُٹھائے ہوئے گھرے آرے۔ مگر تعجب تو یہ ہے کہ نہ گردن ٹوٹی، نہ سر پر کوئی وزن معلوم ہوا گھر لا کر گٹھری کھولی، گٹھری کھول کر کیا دیکھا آنکھیں پتھرا گئیں، دماغ چکرا گیا، عقل غائب، ہوش و حواس ندارد۔

یعنی؟ یعنی، اجی دہوبن، دہوبن، ہاں، ہاں وہی دہوبن، سحر آفریں دہوبن، شعبدہ گر دہوبن، جادو گر دہوبن، پُر فن دہوبن اسی بندھی ہوئی گٹھری سے، ہمارے سر پر لدی ہوئی لادی سے برآمد ہوئی، دم ہی تو نکل گیا۔

بہت دیر کے بعد، پھر بھی اکھڑے ہوئے سانس، اور دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ، ڈرتے ڈرتے، رکتے رکتے ہم نے پوچھا، دہوبن ماں! تم نے یہ کیا تماشا کیا؟ میں کیا دیکھ رہا ہوں؟ لادی میرے سر پر تم نے خود لادی، پھر لادی میں کدھر سے، اور کیسے سما گئیں۔؟

دہوبن نے ہنس کر کہا، میاں! میں تو تم کو صرف کستی، اور آزمانی تھی۔ میں نے تو تمہارا کہنا ہزاروں دفعہ سُنا ہے، میں دیکھتی تھی کہ تم کبھی میری سنتے ہو کہ نہیں؟ مجھے معلوم تھا کہ تم سے

نازک خیال اور ضعیف القویٰ اتنا بڑا بوجھ نہیں اُٹھا سکتے۔
کپڑوں کے پردے پردے میں تمہاری آنکھوں پر پردہ ڈال کر میں خود گٹھری کے ساتھ بندھ گئی۔
اور گٹھری کا سارا بوجھ میں نے اپنے سر لے لیا، تم سمجھتے رہے کہ گٹھری میں نے اُٹھائی۔
تم، اور تمہاری خرخرہ سی گردن اِس بارِ گران کو کیونکر سنبھال سکتی؟
(ہم کو عرقِ انفعال میں ڈوبا ہوا دیکھ کر) بھولے میاں! شرماؤ نہیں، کوئی شرم کی بات نہیں، تمہارا کام نکل گیا میری بات رہ گئی۔

اک ادنے سا شعبدہ دکھایا میں نے
کیونکر تمھیں حیران بنایا میں نے
یہ بارِ عظیم، اور ضعیف امجدؔ پر؟
بوجھ اپنا، خود آپ ہی اُٹھایا میں نے

۵

میں، اور مَے

یہ بات متفق علیہ ہے کہ دُنیا میں کہیں دوست نہیں ملتا۔
ہر شخص نہایت افسوس کے ساتھ کہتا ہے، دوست،
آہ دنیا میں دوست کہاں؟

پارس، گوگرد احمر، اکسیر، سب مل سکتے ہیں مگر دوست نہیں مل سکتا۔

یہ نہیں کہتے کہ ہم خود اس قابل نہیں کہ ہم سے کوئی دوستی کرسکے، یا کوئی ہمارا دوست بن سکے۔ ایک دوست، ایک دوست پر جان و مال نثار کیا کرتا تھا، ایک ایسا قصہ ہے، جو سُنا تو بہت دفعہ ہے، مگر دیکھا کبھی نہیں۔

ہم موجودہ دور میں، زر پاشی اور جاں نثاری سے قطع نظر کرکے، ہر ایسے شخص کو دوست کہنے کے لئے تیار ہیں جو صرف ہماری خوشی سے خوش، اور ہمارے غم سے غمدیدہ ہو، اور بس۔

ایک رات، ہم سارے شہر کا گشت لگاتے ہوئے گیارہ بجے گھر پہونچے۔

گھر پہونچ کر معلوم ہوا کہ آج گھر میں کسی کی فاتحہ ہے جس میں مولود خواں جماعت کی ضرورت ہے۔

گھر میں قدم رکھتے ہی حکم ہوا جاؤ مولود خوانوں کو لے آؤ ہم یہ حکم سنکر اُلٹے پاؤں واپس ہوئے سوچتے رہے کہ گیارہ بجے رات کو مولود خواں کہاں ملینگے۔

سوچتے سوچتے ایک دوست کا خیال آگیا۔ اُن کے گھر پہونچتے پہونچتے بارہ بج گئے گھر پہونچ کر آواز دی۔ . . . . . .

پوچھا ——— کون ؟

ہم نے کہا ——— امجد

آواز آری ، ذرا ٹھیر جائے ابھی حاضر ہوتا ہوں۔

ہم، باہر انتظار کرتے ٹھیرے رہے، پانچ منٹ ، دس منٹ پندرہ منٹ ، بیس منٹ۔

آخر ایک گھنٹے کے بعد، ہمارے دوست ، کپڑے پہنے ، کھانستے ، کھنکارتے ، سیکل ہاتھ میں لئے برآمد ہوئے باہر آتے ہی ہاتھ جوڑ کر کہا کہ ایسے محترم بزرگ کو اتنی دیر اِنتظار کرانے کی معافی چاہتا ہوں۔

اِس قدر دیر حاضری کی اصل وجہ یہ ہے کہ آج مینے کسی قدر زیادہ پی لی تھی ، آپ کی آواز پر نشے کے اُتار کے لئے بہت سی تند و ترش چیزیں اِستعمال کیں ، تب کہیں جاکر حواس ٹھکانے ہوئے، ایسی بدمستی کی حالت میں آپ کے سامنے آنا مینے پسند نہیں کیا۔

دوسری وجہ یہ ہوی کہ مینے خیال کیا کہ اتنی رات گئے آپ آرہے ہیں ، نہیں معلوم کیا ضرورت ہے ، چالیس پچاس رُوپیے صندوق سے نکال کر جیب میں رکھ لئے ہیں ، اور مزید ضرورت کے لئے دوکان کی کنجیاں بھی ساتھ لے لی ہیں۔

یا شاید کہیں کسی کام کے لئے چلنا ہو ، اِس لئے کپڑے پہن،

اور سیکل لیکر نکلا ہوں۔ اب فرمائیے کیا حکم ہے؟

ایک شرابی دوست کی یہ جاں نثاری دیکھ کر، جواب دینے سے پہلے، ہم مبہوت، اور بے خود ہوکر اُن کی صورت دیکھنے لگے۔ اُن سے اُترے ہوئے نشہ کا اثر ہم پر چڑھ گیا۔ شرابی کی کیفیت افزا، سرور بخش، والہانہ محبت اور صداقت کے آگے، ہماری ساری ریاری نمازیں، شدت اِنفعال سے آب آب ہوگئیں، وہ بھی آب مستعملہ۔

اس نمازی سے کہ جس میں ہو ریا — معذرت خواہ، گنہ گار اچھّا
دل میں لا، اور زبان پر اِلا — ایسے اقرار سے اِنکار اچھا

(۲)

جو آپ سے خالی ہو، وہ نے اچھّی ہے — جو دل میں اُتر جائے، وہ لَے اچھّی ہے
وہ، وجہ غرور ہے۔ تو یہ موجب عذر — مَیں مَیں سے، ہزار بار مے اچھّی ہے

ھ

اصحاب الفیل

دو قوی تن اِنسان، کسی خانگی جھگڑے کی وجہ سے ایک غریب ناتوان کی تاک میں لگے ہوئے موقع کے طالب تھے شامت کا مارا ایک رات اُن کے ہاتھ لگ گیا۔ ایک نے غریب کے دونوں

ہاتھ پکڑ لئے اور دوسرے نے کسی قدر پیچھے ہٹ کر، نہایت زور و طاقت سے مارنے کے لئے لات اُٹھا ری۔ لات اُٹھاتے ہی، زمین اُلٹ گئی یعنی اپنے زور و طاقت میں آپ ہی اُلٹ کر پیچھے جا گرے، اور ایسے گرے کہ نقش قدم کی طرح زمین سے اُٹھنا مشکل ہو گیا۔

موٹی کمر ہزار جگہ سے لچک گئی

لاحول ولا قوۃ اِلا باللہ، اپنی قوت و زور سے آپ ہی زندہ در گور ہو گئے دوسرا ساتھی، یہ حالت دیکھکر اُس غریب کے ہاتھ چھوڑ فوراً اپنے از پا اُفتادہ دوست کی دستگیری کی طرف جھک پڑا یہ تو معلوم نہیں کہ پھر کیا ہوا؟ مگر یہ ضرور ہے کہ مار کھا کر مرنے والا، ایک کو اَدھ مُوا، ایک کو بد حواس کر، آنکھوں میں خاک ڈال، صاف نکل گیا۔

اَلَمْ تَرَ کَیْفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِاَصْحٰبِ الْفِیْلِ

پیمانۂ زیست بھرنے والے سے ڈرو ہے عقل اگر، تو ڈرنے والے سے ڈرو
کیا جانے، وہ مرتے مرتے کیا کر جائے اے مارنے والو! مرنے والے سے ڈرو

کیوں خوف تعینّات سے رُوتا ہے؟ ڈر کر ہر اِک سے، جان کیوں کھوتا ہے
خنجر، ہر چند کاٹتا ہے ـــــ لیکن کب؟ جب کہ کسی کے ہاتھ میں ہوتا ہے

منحوس گھونس

ایک دفعہ ہماری سلمیٰ مرحومہ سے نفع و ضرر پر بحث ہو رہی تھی ہم کہہ رہے تھے کہ ہم کو اِس بات کا تو یقین ہے کہ نفع رسانی، مخلوق کے دستِ اختیار سے خارج ہے؛

مخلوق سے جلبِ منفعت کا خیال، تو ہمارے دل سے حرف غلط کی طرح مِٹ گیا۔ لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ اضرار، اور نقصان رسانی تو مخلوق کے اِختیار میں ہے۔ مثلاً ہم، تم کو ایک تماچہ ماردیں تو تم ابھی تکلیف سے چلا اُٹھتی ہو۔ لیکن اِس تماچے کے داغ کو تمھارے دِل سے مٹانا اور تم کو خوش کرنا ہمارے اِختیار سے باہر ہے سلمیٰ نے کہا۔ یہ صحیح ہے کہ آپ تماچہ مار کر مجھے رُلا سکتے ہیں۔ لیکن آپ کے دل میں تماچہ مارنے کا خیال پیدا ہونا، اور مارنے کے لئے ہاتھ کا اُٹھنا، یہ آپ کے ہاتھ کی بات نہیں ہے۔

بات یہیں تک ختم ہو کر رہ گئی۔ نماز عشار کا وقت آگیا۔ ہم نماز کو جاتے ہوئے، گھونس پکڑنے کے لئے گھونس دان کا کھٹکا چڑھا کر نماز کے لئے مسجد چلے گئے۔

جب نماز سے فارغ ہو کر گھر آئے۔ سلمیٰ نے کہا" صائب! گھونس گھونس دان میں آکر میرے دیکھتے دیکھتے سلاخوں سے نکل گئی۔

ہم نے کہا "جھوٹ، سراسر جھوٹ، اتنی بڑی گھونس دو اُنگل کی راہ سے نکل جائے سمجھ میں نہیں آسکتا، ہم ہوتے تو دیکھتے کہ گھونس کس طرح نکل سکتی ہے۔

ہماری اِس فلسفیانہ گفتگو سے، سلمٰی جواب جاہلاں باشد خموشی پر عمل کرکے چپ ہوگئیں، اور ہم پھر گھونس دان کا کھٹکا چڑھا کر، کمرے میں جا لیٹے۔

تھوڑی دیر بعد تختہ گرنے کی آواز آئی۔ ہم دوڑے ہوئے گئے، دیکھا گھونس، گھونس دان میں پھنسی ہوئی ہر طرف سے باہر نکلنے کی راہ تلاش کر رہی ہے۔

سلمٰی نے کہا، صائب! یہ وہی گھونس ہے، جو ابھی پھنس کر نکل گئی تھی، دیکھئے اب کی دفعہ جانے نہ پائے ہم نے کہا، کیا مجال جو نکل سکے۔

ہم دو، تیسری ماما، ایک ایک لکڑی ہاتھ میں لیکر، گھونس کا خون پینے کے لئے چار طرف سے تیار ہوگئے مگر، کیا ہوا؟ اپنے ہی خون کے گھونٹ پیکر رہ گئے!

چھ آنکھیں دیکھتی، اور تین لکڑیاں دہری رہ گئیں، گھونس، گھونس کی طرح پھولی ہوئی موٹی تازی گھونس، چوہے کا جنم لے، دبلی پتلی ہوکر، اُنھیں سلاخوں سے، ہماری سب کی آنکھوں کے سامنے نکل گئی۔

سلمیٰ نے قہقہہ مار کر کہا — وہ مارا — کیوں صاحب! اضرار اور نقصان رسانی تو آپ کے ہاتھ میں تھی، اور گھونس، دوبارہ، آپکے ہاتھ میں پھنس بھی چکی تھی، ہاتھ میں لکڑی بھی تھی؛

ایک نہیں، دو نہیں، تین آدمی، ایک گھونس کا سر کچلنے کے لئے مچل رہے تھے۔

پھر بھی کمبخت، منحوس گھونس نکل ہی گئی۔ اگرچہ وجہ عقل میں نہ آئی۔ اب تو آپ مانیگے، لَا نَافِعَ وَلَا ضَارَّ اِلَّا اللّٰہ۔

مہر و مہ، ارض و سما، شام و سحر کچھ بھی نہیں
زور و زر، لعل و گہر، کسب و ہنر کچھ بھی نہیں
قوت جنّ و پری، عقلِ بشر کچھ بھی نہیں
یوں تو کہنے کو بہت کچھ ہے، مگر کچھ بھی نہیں
سب اُدھر ہی کے کرشمے ہیں اِدھر کچھ بھی نہیں
تیغ و پیکاں و سناں، تیر و تبر کچھ بھی نہیں
دست انسان میں یہاں نفع و ضرر کچھ بھی نہیں
یہ ہے قالین کا شیر، اس سے خطر کچھ بھی نہیں
دیکھنے ہی کا یہ عالم ہے اثر کچھ بھی نہیں
سب، اُدھر ہی کے کرشمے ہیں، اِدھر کچھ بھی نہیں
جب نہو بخت موافق، تو ہنر کچھ بھی نہیں

جب نہو جلوۂ خورشید، سحر کچھ بھی نہیں
جب بصیرت ہی نہو، نورِ بصر کچھ بھی نہیں
جب خدا ہی نہو ہادی، تو خضر کچھ بھی نہیں
سب اُدھر ہی کے کرشمے ہیں، اِدھر کچھ بھی نہیں

اِک سمندر سے ہوئے سینکڑوں چشمے جاری
ایک ہی نور کے انوار ہیں، نوری، ناری
ایک ہی جلوہ ہے، سب کون و مکاں میں ساری
ہے اُسی ایک خدا کے لئے، قوت ساری
سب اُدھر ہی کے کرشمے ہیں، اِدھر کچھ بھی نہیں

بُو، کسی زلف کی ہے نافۂ تاتاری میں
حُسن مخفی ہے کوئی، گل کی طرحداری میں
ہے تجلی کوئی، اِس روح کی بیداری میں
کوئی معشوق ہے، اِس پردۂ زنگاری میں
سب اُدھر ہی کے کرشمے ہیں، اِدھر کچھ بھی نہیں

(ریاضِ امجد)

زندگی و بندگی

ہمارے ملک کے ایک بڑے افسر بلکہ سرافسر سے ایک دفعہ ہماری ملاقات ہوئی۔

ہماری شاندار ہئیت کذائی دیکھ کر حیرت سے پوچھا:

کیا آپ ہی کا نام امجد ہے؟

ہم نے کہا ——— ہاں؟

پھر پوچھا، کیا آپ ہی کا نام امجد ہے؟

ہم نے کہا ——— ہاں؟

پھر پوچھا۔ کیا آپ ہی کا نام امجد ہے؟

ہم نے کہا ——— ہاں؟

اِس تین دفعہ قُل کے بعد پوچھا، آپ کیا کام کرتے ہیں؟

ہم نے کہا۔ دفتر میں نوکر ہیں۔

یہ سُنکر نہایت افسوس کے ساتھ کہا ——— افسوس!

آپ کی بندگی (ملازمت) اور زندگی یہ دونوں چیزیں آپ کے کلام کو بے قدر کر رہی ہیں اگر آپ کو اپنے کلام کی قدر منظور ہو تو پہلے نوکری چھوڑ دیجئے۔

اِس سے زیادہ ترقی منظور ہو تو اپنا رشتہ حیات توڑ دیجئے۔

عزت نہ ملی، کبھی، مصاحب ہوکر — بے قدر ہوا ہے قلب، قالب ہوکر
موجود میں، سنو عیب نظر آتے ہیں — ہر چیز پسند آتی ہے غائب ہوکر

عزت، مطلوب ہو تو مرجائیگا! — راحت مطلوب ہو تو مرجائیگا!
اِس مردہ پسند دور میں اے امجد — شہرت مطلوب ہو تو مرجائیگا

ھ

لالٹین

ایک دفعہ، ہم اور ہمارے چند احباب مع اہل و عیال، تفریح کے لئے شہر سے قریب، کسی گاؤں کو جا رہے تھے سبھوں کا سامان، بلا کسی تفریق کے بیل گاڑیوں پر لدا ہوا تھا۔

جب گاڑیاں گاؤں سے قریب پھونچ گئیں۔ ہم نے دیکھا کہ کوری لالٹین سامان کی گاڑی میں رکھی ہوی زمین پر گرا چاہتی ہے ہم نے اپنے ساتھی سے کہا، دیکھو، لالٹین نہیں معلوم کس کی ہے زمین پر گرنے کو ہے۔ چلو جلد چل کر اُس کو ٹھیک طور پر رکھ دیں۔

ہمارے دوست نے کہا، گرتی ہے تو گرنے دو، ہماری بلا سے ہماری پاپوش سے۔

ہم چپ ہو رہے، آخر لالٹین گری، اور گر کر چکنا چور ہوگئی

یہ تماشا وہ بھی دیکھتے رہے اور ہم بھی مغرب کے قریب گاڑوں میں پہونچے۔ سامان گاڑیوں سے اُتار کر، مع اہل و عیال ہر شخص ایک ایک کمرے میں اتر پڑا؛ اور اپنے اپنے کمروں میں سب نے اپنے اپنے چراغ روشن کر لیئے۔

مگر ہمارے رفیق مذکور الصدر کا چراغ نہ جلا اور اُن کی لالٹین کا پتہ نہ چلا؛

اندھیرے ہی میں چیختے چلاتے نوکروں پر خفا ہوتے بیٹھے رہے۔

آخر بہت سی تنقیحات قائم کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ جو لالٹین راستے میں اُن کی آنکھوں کے سامنے گر کر چکنا چور ہو رہی تھی، جس کے متعلق "گرتی ہے تو گرنے دو" اِرشاد ہوا تھا، وہ آپ ہی کی لالٹین تھی۔

کیوں؟ کیسی ہو رہی؟۔

من عمل صالحاً فلنفسہٖ، ومن اساء فعلیھا۔

سچ ہے جس نے کسی کے ساتھ کوری نیکی کی اُس نے اپنے ہی لیئے نیکی کی؛ اور جس نے کسی سے بُرائی کی اُس نے حقیقت میں اپنے آپ سے برائی کی۔

اپنا ہی وجود ہے یہ عالم سارا   اپنی ہی نمود ہے، یہ عالم سارا

آئینہ، دھر میں ہے رویت اپنی — پتھر کی بھی مورت میں ہے صورت اپنی
ہمدردیٔ غیر میں ہے راحت اپنی — ہر شخص کی قسمت میں ہے شرکت اپنی

ہمراہ کرم، حُسنِ عمل تُلتا ہے — احسان سے، بابِ لطفِ حق کھلتا ہے
ہمدردیٔ غیر میں ہے، اپنا بھی بھلا — کپڑا دھونے سے ہاتھ بھی دھلتا ہے

(خرقۂ امجد)

ھ

ہم اور دھوبی

جب ہم نے اپنا پہلا مکان بیچکر دوسرا مکان خریدا۔ دھوبی کے گھر جاکر اس کو اپنے نئے مکان کا پتہ بتاکر کہدیا کہ آئندہ سے ہمارے کپڑے ہمارے نئے مکان پر لے آنا۔

اِس کے پندرہ روز بعد، دھوبی ہمارے کپڑے سر پر لادے ہوئے ہمارے نئے مکان کی تلاش میں چل نکلا ہمارا نیا مکان چونکہ گلیوں میں واقع تھا۔ اور ہم بھی اُس نئے محلے میں نئے نئے آئے ہوئے تھے۔

اِس لئے دھوبی کو ہمارے مکان کا پتہ نہ چلا۔ جس سے پوچھا یہی کہا کہ ہم امجد کو تو جانتے ہیں، لیکن اُن کے محلِ سکونت سے واقف

نہیں۔ غریب دھوبی کپڑوں کا بوجھ سر پر لئے ہوئے، مکان کی تلاش میں پھرتے پھرتے آخر تھک گیا۔ اور مایوس ہوکر واپس جانے ہی کو تھا کہ ..... ایک بڑھیا، رومال میں کوئی چیز باندھی ہوئی ادھر سے گذری تیز نظر دھوبی اس رومال کو بیک نظر دیکھ کر سمجھ گیا کہ، یہ امجد صاحب کا رومال ہے جو کبھی دُھلنے کے لئے میرے پاس آیا تھا۔ بغیر کچھ کہے سُنے بڑھیا کے پیچھے ہولیا۔ بڑھیا چند قدم چل کر کسی مکان میں داخل ہوئی۔

دھوبی نے بھی اسی مکان پر ٹھہر کر ہم کو آواز دی۔ ایک، ہاں صرف ایک مرتبہ، دیکھے ہوئے رومال کے ذریعہ سے دھوبی نے بلا کسی پس و پیش کے یقین کے ساتھ، ہم کو اور ہمارے مکان کو پا لیا۔

واہ میاں دھوبی واہ تمہاری جامہ شناسی کی داد دیتا ہوں اور تم سے دھوبی کے مقابل میں اپنے آپ کو دھوبی کے گدھے سے بھی بدتر سمجھتا ہوں۔

ایک تم ہو، کہ کبھی دیکھے ہوئے رومال کی ایک جھلک دیکھ کر اس کے مالک، کا پتہ اور مکان معلوم کر لیا۔

ایک ہم ہیں کہ سب کچھ، ہزاروں دفعہ دیکھ کر بھی اپنے مالک کو نہ پہچان نہ پا سکے۔

وکاین من آیۃ فی السموات والارض یمرون علیھا وھم عنھا معرضون

زمین و آسمان میں خدا تعالیٰ کی راہ دکھانے والی کئی نشانیاں ایسی ہیں کہ لوگ اُدھر سے گزرتے ہیں، مگر ادھر توجہ نہیں کرتے۔

اپنے مولا کے در کا دربان تو ہو
کچھ بھی نہ سہی، سگ صفت انسان تو ہو
ہر رنگ میں، پہچانتا ہے، مالک کو
امجد! بندے میں اتنا عرفان تو ہو

جو ہے مَبدا، ہے وہی آخر مَعاد
ہر طرف ہر پھر کے جاؤ گے وہیں
کیا بتاؤں، بے نشاں کا میں، نشان
جس جگہ ڈھونڈو گے، پاؤ گے وہیں
(حیثُ مَا التمسنی وَجدنی)

۵

رات کی رانی

ہم ایک ڈاکٹر صاحب کے زیر علاج تھے وہ بھی مُفت، ایک دفعہ ڈاکٹر صاحب نے اپنے کسی مریض سے، رات کی رانی کے درخت کی فرمائش کی۔ اُن سے پہلے، خوشامد کے تحت، ہم نے درخت لا دینے کا وعدہ کر لیا۔ درخت تو تھا نہیں، لاتے کہاں سے؟ اس لئے دو تین دن تک تو یوں ہی ٹالتے رہے۔ آخر جب ڈاکٹر صاحب نے بہت ہی مجبور کیا، رات کی رانی کی۔ ایک شاخ توڑ،

گملے میں لگا کر ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں پیش کر دیا، اور پھر ہمیشہ کے لئے غائب ہو گئے۔ معلوم تھا کہ ہماری گندم نمائی جو فروشی کا حال کھل جائیگا۔ اور شعبدے کی ہری ڈالی بہت جلد سوکھ جائے گی۔

اِس واقعے کو ایک مہینہ گذر گیا۔ ایک دفعہ ہم اُدھر ہی سے گزر رہے تھے، کہ ڈاکٹر صاحب سے مڈبھیڑ ہو گئی، اُنھوں نے ہم کو مسرت سے، اور ہم نے اُن کو وحشت سے دیکھا دیکھتے ہی ڈاکٹر صاحب نے کہا جناب وہ آپ کا درخت ..... جملہ تمام کرنے سے پہلے ہی ہم نے کھدیا، وہ درخت تو کبھی کا سوکھ گیا ہوگا۔

ڈاکٹر صاحب نے کہا، نہیں جناب! سوکھا نہیں، بلکہ ننھی سی جان، گز بھر زبان، پتلی اور ننھی سی ڈالی تو پھولوں سے لدگئی ہے آئیے آپ بھی دیکھ لیجئے۔ ہم سمجھے ڈاکٹر صاحب مذاق کر رہے ہیں؛ تاہم اُن کے ساتھ گھر میں گئے۔

دیکھا، اور عجب تماشا دیکھا۔ ایک درخت تقریباً گز بھر اُونچا نہایت سرسبز و شاداب ایک نہایت بڑے گملے میں رکھا ہوا ہے جس کو پھول کی ایک پتی بھی نہیں ہے۔ اور اُسی کے ساتھ ساتھ وہی ہمارے ہاتھ کی لگاری ہوئی ٹوٹی اور پتلی ڈالی، سر سے پاؤں تک پھولوں میں لدی ہوئی ہے۔

کیا کہیں، اِس واقعے کا ہم پر کتنا اثر ہوا۔ شدت مسرت سے آنکھوں میں آنسو بھر آئے، اور غریب محتاج کی لاج رکھنے والے پر، جی جان سے قربان ہو گئے۔

فانظر الی آثار رحمۃ اللہ

مدت کی خلش، دل سے نکل جاتی ہے — آفت آئی ہوئی بھی، ٹل جاتی ہے
جب گھر کے برستا ہے ترا ابر کرم — سوکھی ہوئی شاخ، دم میں پھل جاتی ہے

(۲)

اپنے بندے کو، خوار ہونے نہ دیا — دلدادہ کو، دل فگار ہونے نہ دیا
کل، لاکھوں میں، مجھ کو کیا کریگا رسوا — آج، ایک سے شرمسار ہونے نہ دیا

هو

ماخذ تصوف

ایک دفعہ ہمارے حلقۂ احباب میں، تصوف، اور ماخذ تصوف پر بحث ہو رہی تھی؛

کسی نے کہا، صوفی منسوب بہ صُوف ہے۔ چونکہ زمانہ، سابق میں اہل باطن غایت انکسار سے بلا قصد نمایش صوف کا لباس پہنتے تھے اِسلئے اُن کو صوفی کہتے تھے۔

کِسی نے کہا؛ صوفی صَوف سے ماخوذ ہے اور صَوف کے معنی

رو گردانی ہیں چونکہ صوفیا بھی دُنیا سے رو گردان رہتے ہیں اِسلئے اُن کو صوفی کہتے ہیں۔

کسی نے کہا صوفی لغت میں مخلص کو کہتے ہیں چونکہ صوفی ذات احدیت سے خلوص کامل رکھتے ہیں اِسلئے اُن کو صوفی کہتے ہیں۔

وغیر ذالک الی غیر نہایہ

ہم نے کہا کہ ہم بھی صوفی کہلاتے ہیں، مگر اس صوفیت کا کا ماخذ سب سے نرالا اور سب سے زیادہ پر لطف ہے۔

وہ یہ کہ۔

آیا ہے زمانہ، ترقی گندہ بندہ، خدا ہوا ہے
ایمان سے دل کو صاف کر کے امجد، صوفی بنا ہوا ہے

علمی اور حلمی

ایک دفعہ، ہندو ہوٹل میں، ایک سادھو، اور مولوی میں گفتگو ہو رہی تھی۔

سادھو جی کہتے تھے کہ انسان کے لئے نجات کا سبب، صرف اس کے کرم، یا اعمال حسنہ ہیں۔

مولوی جی کہتے تھے کہ صرف اعمال حسنہ سے کام نہیں

چل سکتا، جب تک اُس کا فضل نہ ہو۔

ہر ایک کا دعویٰ صحیح تھا، اور ہر ایک کی بات نا قابل تردید۔ سامعین کبھی سادھوجی کے طرفدار ہو جاتے، اور کبھی مولوی جی کے ساتھ، آمین کہتے۔

آخر، سامعین میں ایک فقیر شکستہ حال کہہ اُٹھا" ہم کو سادھوجی کے دعوے سے اِتفاق ہے"

مولوی صاحب، اپنے مقابل، ایک جاہل کی زبان درازی کس طرح سُن سکتے، اپنی مولویانہ شان میں کہہ اُٹھے" ابے چلمی تو بھی علمی باتیں سمجھا ہے؟ نا معقول! تو بھی دخل در معقول کرتا ہے۔؟

چلمی فقیر نے دم لگاتے ہوئے کہا، حضور! خفا نہوں، پیر و مرشد! یہ تو فرمائیے کہ اعمال حسنہ کے بعد پھر فضل آلہی کی کیا ضرورت ہے؟ کیا اعمال حسنہ بغیر فضل آلہی صادر ہو سکتے ہیں؟ اعمال حسنہ ہی فضل آلہی کی دلیل ہے اگر فضل الٰہی نہو تو اعمال حسنہ کا صدور ممکن ہی نہیں۔

یاد رکھیئے، کرم کی نیت، کرم کی کوئی حرکت، اعمال کا کوئی چھوٹے سے چھوٹا ذرّہ، یہاں تک کہ سمندر کی کوئی موج، یا دماغ کی کوئی لہر، کبھی، اور کسی حالت میں، رائگان اور ضائع نہیں جاتی۔ من یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ۔ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ۔

ذرہ بھر نیکی کی بھی جزا ملیگی - اور ذرہ بھر بدی کی بھی سزا ملیگی -

اِک حرف عمل، کوئی نہیں دھو سکتا — مٹ جائے کوئی شئے، یہ نہیں ہو سکتا
ذرے ذرے کا یاں خدا حافظ ہے — اِس شہر میں کوئی کچھ نہیں کھو سکتا

ھ

موت کا پیام

امجد کے نام

ہم ایک دفعہ اپنی نظم،

اے اجل! اے ساعتِ عشرت قریں! — زندگی کی اے وفائے آخریں!
آ، مری جاں! تجھ پہ جاں قربان ہے — ایک مدت سے ترا ارمان ہے الخ[1]

تخت پر لیٹے، آنکھ بند کئے ہوئے پڑھ رہے تھے . . . یکایک محسوس ہوا کہ کوئی شخص دراز قد، افغانی وضع، سیاہ عبا پہنے، سپید عمامہ باندھے ہوئے ہماری پائنتی کھڑا ہوا ہے - ہم نے اسی طرح بغیر کسی حس و حرکت کے ڈرتے ڈرتے پوچھا " آپ کون ہیں

---

[1] پوری نظم - اِسی کتاب کے شبِ عروسی والے مضمون میں ملاحظہ کیجئے - ۱۲

کہا، ہم ؟ ہم موت ہیں
ہم نے پوچھا، کیوں تشریف آوری ہوئی ؟
کہا۔ ابھی تو تم نے ہم کو یاد کیا تھا۔
ہم نے کہا، اچھا تو ٹھہر جائیے، ہم ابھی تیار ہوتے ہیں۔
یہ کہہ کر ہم غسل خانے میں گئے۔ عمر بھر میں پہلی دفعہ صابون، اور وہ بھی خوشبودار صابون لگا، خوب مل مل کر غسل کیا۔ غسل سے فارغ ہو کر تبدیل لباس کے کمرے میں گئے۔
تنگ، چست، سپید پائجامہ پہنا، سرخ ریشمی قمیص زیب جسم کیا اِس پر اعلیٰ درجہ کی کمخواب کی شیروانی پہنی۔
شیروانی پہنکر، پھولوں کے بڑے بڑے ہار، عطر سہاگ میں بسے ہوئے گلے میں ڈالے۔
سر میں چنبیلی کا تیل ڈال، صراط مستقیم جیسی مانگ نکالی۔ آنکھوں میں سرمہ لگائے، پان چباتے ہونٹ لال بھبوکا بنائے ہوئے ——— قد آدم آئینے میں صورت دیکھی۔
صورت ؟ ہاں صورت۔ کیسی صورت ؟ کس کی صورت ہم صحیح طور پر نہیں کہہ سکتے۔
چڑھی ہوئی مونچھیں، مونڈھی ہوئی داڑھی، تڑپتی ہوئی مانگ چست اور تنگ لباس، جس سے سانچہ میں ڈھلے ہوئے جسم کا رگ و ریشہ صاف صاف نمایاں ہو رہا تھا۔

رَبَّنَا اَرِنَا الاشیاء کما ھی (اے خدا ہم کو ہر شئے اِس طرح دکھا جسطرح کہ وہ فی الحقیقت ہے) کے تحت، آج اپنی حقیقی صورت دیکھ لی! فِی اَحْسَنِ تَقْوِیْم، کے حسن سے آنکھیں جگمگا اُٹھیں۔

صورت دیکھتے ہی، فَتَبَارَکَ اللّٰہُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ بے ساختہ زبان سے نکل گیا!"

کس متن کی تفسیر ہوں، معلوم نہیں کس ہاتھ کی تحریر ہوں، معلوم نہیں
میں ہوں، کہ مرے پردے میں ہے اور کوئی؟ صورت ہوں کہ تصویر ہوں، معلوم نہیں

میرے ہی مکان سے وہ ناگہ نکلا سمجھا تھا جسے دُور، وہ ہمرہ نکلا
میں، محو رہا نفی میں جس کی، دن رات آخر میں وہی آلہ، اللّٰہ نکلا

بہرحال بڑی آن بان، نئی شان سے باہر دالان میں برآمد ہو رہے۔

دالان میں، نئی چٹاری پڑی ہوری تھی، خوشی خوشی اسپر جا کر لیٹ رہے، یہاں تک تو خیر گزری لیٹنے کے ساتھ ہی موت کا فرشتہ اپنے اور تین نئے ساتھیوں کے ساتھ آموجود ہوا، اور چاروں نے مل کر چٹاری کے چاروں کونوں کو پکڑ کر اُٹھایا۔

اب، اِس وقت، چٹاری اُٹھاتے وقت، ہماری کیا حالت ہوری؟ ہم پر کیا بیتی؟ جس کو موت سے پالا نہ پڑا ہو اِس کو کیا سمجھائیں؟ اِس کی کیا تشریح کریں؟ لفظاً اِسی قدر سمجھ لیجئے کہ سینے میں

رک گیا، حلق میں آواز پھنس گئی پتھرائی ہوئی آنکھوں سے ٹکر ٹکر ہر ایک کی صورت دیکھ رہے ہیں، نہ چیخ سکتے ہیں، نہ پکار سکتے ہیں نہ حس، نہ حرکت، مُردہ زندہ نما کی صورت چپ چاپ پڑے ہو رہے تھے۔

یکایک اُن چٹائی اُٹھانے والوں میں ہماری نظر ایک ایسے شخص پر پڑی جس سے شاید کبھی کچھ ملاقات تھی، یاد ہے؛

ہم نے اس سہمی ہوئی حالت میں اُس کو مخاطب کر کے کہا، میرے دوست دیکھو! میری طرف دیکھو؛

ارے خدا کے لئے رحم کرو، دیکھو، میں ابھی مرا نہیں ہوں پھر تم میرا جنازہ کیوں نکال رہے ہو؛

ہماری اِن دیوانگی کی باتوں سے، چاروں نعش بردار کھلکھلا کر ہنس پڑے اور اِس ہنسی ہنسی میں چٹائی اُن کے ہاتھ سے چھوٹ گئی اور اس کی دھمک اور آواز سے ہماری اخ الموت نیند بھی ٹوٹ گئی۔

انا للہ ۔ وانا الیہ راجعون

میں اِس دریائے موجزن میں مانند حباب، اُبھر رہا ہوں
ہر سانس میں، پھانس کی کھٹک ہے پھر بھی جینے پہ مر رہا ہوں

۵

بینا اندھے

ایک دفعہ ہم نے کسی عالمِ خواب میں دیکھا۔ کہ ایک نہایت ہی حسین و جمیل ہستی، جو فانی زبان کی حدِ بیان میں نہیں آ سکتی۔ تذکیر و تانیث کے بین بین، یا دونوں سے ارفع، بیچ بازار میں بغیر کسی پردے اور نقاب کے چل پھر رہی ہے۔ بازار میں، ہزاروں کروڑوں آدمی آ رہے ہیں، جا رہے ہیں مگر اِس حُسن مجسم کو کوئی نہیں دیکھتا۔

کسی ایک کی بھی اِس پر نظر نہیں پڑتی۔ اِس مجسمہ حُسن کے جسم سے، آنے جانے والوں کا جسم مس ہو رہا ہے کھوے سے کھوا چھل رہا ہے۔ دیکھنے کو تو سب دیکھنے والے نظر آتے ہیں لیکن دیکھتا کوئی نہیں، ہم نے کہا یا اللہ! آخر یہ معاملہ کیا ہے؟ آنکھیں رکھ کر سب کے سب کیوں اندھے ہو رہے ہیں۔

آخر ایک بات سمجھ میں آگئی، یا کسی نے سمجھائی ——

وہ یہ کہ۔

واللہ عجیب ڈھب نکالا اُس نے — کیا کام کیا ہے، بالا بالا اُس نے
اپنی بے پردگی چھپانے کے لئے — میری آنکھوں پہ پردہ ڈالا اُس نے

نیک گناہ گار

ایک دفعہ عالم خواب میں، مدینہ طیبہ کے کسی جنگل میں (یا مسجد قبا کے قریب) ایک بزرگ ہستی کو کھجوروں کے جھنڈ میں بیٹھے ہوئے دیکھا۔ بھرا بھرا جسم، سبزی مائل گورا گورا رنگ برہنہ سر، گردن تک بال، عمر پچاس، ساٹھ کے درمیان ریت کے تودے پر آسن جمائے انگلیوں پر گن گن کر کچھ پڑھ رہے ہیں۔ کسی باطنی کشش سے ہم بھی چپ چاپ اُن کے پس پشت جا بیٹھے۔

یکایک ایک شخص، دُور سے، خاک اُڑاتا، واأسفاہ، کے نعرے لگاتا، آتا ہوا نظر آیا یہاں تک کہ اُن بزرگ کے قریب پہونچکر قدموں پر گر پڑا۔ اور رو رو، کر کہنے لگا۔

حضور! مجھ سے بڑا ہی قصور ہوگیا ہے۔ آپ معاف کرا دیجئے۔

اِن بزرگ نے یہ تو نہیں پوچھا۔ کہ کیا قصور ہوا ہے۔ لیکن کسی قدر مکدر، اور چین بہ جبین ہو کر فرمایا " تم نے قصور کیوں کیا؟

مجرم نے مجرمانہ تضرع وزاری، تھرتھراتے جسم، ڈبڈبائی ہوئی

آنکھوں، بھرآئی ہوئی آواز سے کہا قصور کیوں ہوا؟ یہ تو نہیں کہہ سکتا لیکن قصور ہوگیا، گناہ ہوگیا، اب اپنے قصور کا معترف ہوں اور گناہ کا اقرار کرتا ہوں۔ بلند رحم کیجئے۔ میرے آقا! میرے حال پر رحم کیجئے!

یہ الفاظ جس درد و کرب سے اِس گناہ گار کے منھ سے نکلے، معلوم ہوا کہ ایک بجلی سی تڑپ کر ان بزرگ کے خرمن صبر و تحمل پر جا پڑی۔

لطیف جسم تھرا اُٹھا، صدف چشم سے آنسوؤں کے قطرے بڑے بڑے موتیوں کی طرح ٹپکنے لگے؛ اور اِس تھر تھراہٹ میں، کانوں تک لٹکے ہوئے بال، ناگ کی طرح لہراتے ہوئے ہر طرف سے زنجیر بنکر کس گئے۔ اور اس سختی سے، کہ آنکھیں خون کبوتر، اور سبزی مائل گورا گورا چہرہ، لال بھبوکا ہوکر آفتاب کی طرح تمتما اُٹھا۔ نفس کی آمد و رفت بند ہوکر، معلوم ہوتا تھا کہ جسم کے ساتھ ساتھ سانس بھی کس گیا ہے اور اس حالت میں سورۂ بقر کی آخری آیتیں، ربنا لا تواخذنا الخ پڑھتے ہوئے دعا کے لئے دست دعا بلند کئے۔ آخر، وانصرنا علی القوم الکافرین تک پہونچتے ہی۔ چہرہ کا رنگ اپنی اصلی حالت پر آچلا، کسی ہوئی زنجیر پھر اُسی طرح زلف گرہ گیر بن گئی، آنکھوں کے لال لال ڈوروں میں پھر نورانی چمک پیدا ہوگئی۔

اور آپ نے آخر میں، الحمد للہ رب العالمین، کہہ کر متبسمانہ انداز میں فرمایا:-

جاؤ تمھارا قصور معاف ہوگیا

مانندِ سحاب، چشم نم رکھتے ہیں
ہر قطرے میں اِک بحرِ کرم رکھتے ہیں
تم کرتے ہو آہ، ہم تڑپ جاتے ہیں
ساری دُنیا کا درد، ہم رکھتے ہیں

---

(۲)

کیا پھل ملتا ہے؟ بیج بو کر دیکھو
پانے کی اگر ہوس ہے، کھو کر دیکھو
کیا عرض کروں، کہ اس میں کیا لذت ہے
اِک مرتبہ تم، کسی کے ہو کر دیکھو

(۳)

پلٹتی ہر چیز، اپنی فطرت کی طرف
بدکار بھی، توبہ کرکے، پھر نیک ہوا
دس ہوں، یا سو ہوں، یا ہزار اے امجد
جب صفر مٹا، پھر ایک کا ایک ہوا

(۴)

حیلہ ملتا ہے، رنگ لانے کے لئے
ہو کچھ تو سبب، انکو منانے کے لئے
موقع ملتا ہے، پاؤں پر گرنے کا
کرتا ہوں قصور، بخشوانے کے لئے

(۵)

تو ہے، کہ ہمیشہ رحم فرماتا ہے
امجد ہے، کہ راہ پر نہیں آتا ہے
میں، خوگر جرم، تو، کرم کا عادی
ہم دونوں میں دیکھیں کون بڑھ جاتا ہے؟

نوٹ:- اشعار مذکور الصدر کے انطباق کے لئے "نیک گنہگار" کو پانچ دفعہ پڑھا جاوے۔ ۱۲

۸

فنا فی البقا

ہم ایک دفعہ (اس زمانے میں جبکہ ہم کو پرند پالنے کا شوق تھا) ایک نیم آباد شہر سے گذر رہے تھے ..... یکایک خوشنوا پرندوں کے چہچہوں اور مرغان خوش الحان کے زمزموں کی آواز کان میں آئی۔

آواز تھی یا مقناطیس القلوب؟ زمزمہ تھا یا کوئی روحانی نغمہ؟ ہم اس آواز کی سمت بیساختہ کھنچے چلے گئے۔ چند قدم چلکر دیکھا کہ ہماری رہگذر کی داہنی جانب ایک چھوٹا سا باغ ہے۔

باغ کیا ہے؟ گویا کسی عارف کا غنچہ دل وا ہوگیا ہے، یا کنز مخفی کے اسرار گل و گلبن کی صورت میں آشکار ہو گئے ہیں۔ پھولوں پھلوں سے لدے ہوئے قطار در قطار درخت عروس شب اول کی طرح سر نہوڑائے کھڑے ہیں۔

رنگ برنگ تتلیاں اُڑتی پھرتی ہیں، نسیم عطر بیز چلتی ہے ہوا کے جھونکوں سے درختوں میں دلفریب راگ پیدا ہوتے ہیں باغ ہے؟ یا فردوس برین کا کوئی بہترین ٹکڑا۔

باغ کے وسط میں ایک درخت سب سے زیادہ عجیب و غریب ہے۔ جس میں پھلوں کی جگہ دل لگے ہوئے معلوم

ہوتے ہیں۔ یہ تمام پھل قلوب کی طرح مقلوب لٹکے ہوئے ہیں۔ البتہ ایک پھل یا ایک دل جو درخت کی چوٹی پر عین وسط میں واقع ہے۔ بخلاف اور پھلوں کے سیدھا نظر آتا ہے۔ دوسرے تمام پھلوں کی حرکت و سکون تازگی و شادابی اسی بڑے پھل کی حرکت و سکون اور تازگی اور شادابی پر موقوف ہے۔

یُقَلِّبُ کَیْفَ یَشَآءُ۔

اِس درخت کے بالمقابل ایک اور درخت ہے، جس پر خوش رنگ، خوش الحان پرندوں کے نقرئی، طلائی چھوٹے بڑے پنجرے لٹک رہے ہیں اِن چھوٹے چھوٹے پنجروں میں نہیں معلوم کہاں کی وسعت سما گئی ہے کہ ہر طائر بغیر کسی رکاوٹ کے برابر ہر طرف اُڑتا پھرتا ہے۔

کوئی تیلی مانع پرواز نہیں معلوم ہوتی۔ ہر مرغ گرفتار اپنے آپ کو آزاد تصور کرتا ہے۔ ہر پرند اپنی اپنی زبان میں ایک عجیب راگنی گاتا ہے۔ ہر ایک کی آواز میں کوئی خاص راز مضمر معلوم ہوتا ہے۔

ہماری نظر تمام پرندوں پر پڑتی ہوئی ایک ننھی منھی سپید رنگ لال چونچ والی چڑیا پر جا کر جم گئی۔ کان ہر ایک کا نغمہ سنتے ہوئے اِس چڑیا کی خاص نواسنجی کی طرف کھنچ گئے۔

سپید براق رنگ۔ سُرخ چونچ۔ جسامت میں قمری سے چھوٹی۔ عام چڑیا سے کسی قدر بڑی آواز میں فاختی سوز۔ دلگداز لحن

جب کوکتی ہے سننے والے کا کلیجہ چھلنی کر دیتی ہے۔ جب چہکتی ہے عجیب و غریب غیر فانی راگ پیدا ہوتے ہیں۔

ہم نے سب سے قطع نظر کر کے اسی چڑیا پر ٹکٹکی جما دی۔ سب سے الگ ہو کر گوش ہوش کو اسی آواز کے لئے وقف کر دیا۔ انہیں سریلی راگنیوں دلکش راگوں میں یکایک . . . . . . ایک جملہ سمجھ میں آیا۔ جو یہہ تھا۔

لاتحزن ان اللہ معنا۔ ہم بھی سنتے اور سر دُھنتے ہوئے اسی سُر اور اسی راگ میں . . . . لاتحزن ان اللہ معنا کہنے لگے اور وجد و سرور میں بہت دیر تک ہمنوا رہے۔

کہتے کہتے خیال آیا۔ لاؤ اِس چڑیا کو گھر لے چلیں گھر لیجا کر اطمینان کے ساتھ ہمنواری کرینگے یہ سوچ کر پنجرے کی طرف ہاتھ بڑھایا ہاتھ پنجرے تک پہنچ کر سوکھی ہوئی ڈالی کی طرح خشک ہو کر رہ گیا اب نہ آگے بڑھ سکتا ہے نہ پیچھے ہٹ سکتا ہے۔ چڑیا تو ہاتھ نہ آئی۔ ہاتھ سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ سارا لطف ذرا سی بدنیتی نے کرکرا کر دیا جنت نما باغ جہنم سے بدتر نظر آنے لگا۔ آدم نہ آدم زاد۔ کس سے کہیں؟ کس کو پکاریں؟ جب پریشانی حد سے گزر گئی . . . . یکایک . . . . اسی چڑیا نے خشم ناک لہجے میں آواز دی۔

او انسانی صورت میں بدتمیز حیوان! او مدعی عقل! تجھے آج تک عقل نہ آئی۔ تو تو بغیر پائے کے دیوار اور بغیر دیوار کے

چھت بنا آ ہے۔ سچ ہے فطری جھول کسطرح سمجھدار ہو سکتا ہے۔

ہم صحبت بیخرد پریشان رہا نافہم کو سمجھا کے پشیمان رہا
تعلیم سے جاہل کی جہالت نہ گئی نادان کو اُلٹا بھی تو نادان رہا (رباعیات امجد)

ارے مورکھ! ہر ملِک اس کے مالک سے طلب کی جاتی ہے۔

میں اصل مقصود نہیں ہون۔ بلکہ رہنمائے مقصود ہوں شاید میری یہ آواز بھی کسی شیریں نغمے والے کا ایک سطحی راز ہے۔ میری اور اِس باغ کی مالکہ یا مالک اس سامنے والے کوٹھے پر تشریف فرما ہے جس کو میں نے بھی آج تک نہیں دیکھا۔ البتہ کبھی کبھی صرف آواز سنتی ہون اور اسی آواز کے زیر اثر بیخود ہو کر کبھی کبھی میں بھی چیخ اُٹھتی ہون۔ ؎

نغمے کے ہر ایک شعر پہ سر دُھنتا ہون سُن ہو کے گل گلشن ہُو چنتا ہو ن
آ آ آ آ کی آرہی ہے آواز دیکھا نہیں آنکھ سے مگر سُنتا ہون

وہ مانگنے والے کو بہت پسند کرتے ہیں۔

ایک مرتبہ کسی مانگنے والے کی صدا سے مسرور ہو کر خود اُنھون نے فرمایا تھا۔

اے سائل آ آ پھر مانگ پھر مانگ جو چاہے لے جا پھر مانگ پھر مانگ
ہر دم ہمارے فضل وکرم کا جاری ہے دریا پھر مانگ پھر مانگ
خوش ہوتے ہیں ہم تیری صدا سے ہاں پھر صدا دے دلکش ادا سے
کیوں رونھتا ہے اپنے خدا سے آ آ آ آ پھر مانگ پھر مانگ

ہم اپنی شان رحمت دکھائیں سب آرزوئیں تیری بر آئیں
تو مانگتا جا ہم دیتے جائیں ہاں چپ نہ ہو جا پھر مانگ پھر مانگ
وجہ سکون ہے یہ بیقراری ہاں زور و زر سے بہتر ہے زاری
چھاری ہے تجھ پر رحمت ہماری لے چاہے جتنا پھر مانگ پھر مانگ
تو ہے بھکاری اور ہم ہیں داتا بھر لے منھا منھ کاسہ ہوس کا
ہم بھی تو دیکھیں ہے ظرف کتنا لے ہاتھ پھیلا، پھر مانگ پھر مانگ

امجد؛ جا تو بھی جا مانگ تو بھی مانگ

چڑیا کے اِس طلسمی سم سم سے ہماری امید کی خشک ڈالی ہری ہوگئی۔ ہاتھ سے گیا ہوا ہاتھ پھر واپس آگیا۔ چڑیا سے ہاتھ اُٹھا کر چڑیا کے مالک کی طرف چلے۔

اِدھر سے اُدھر پلٹے ہی تھے کہ سامنے ایک دروازہ باب اجابت کی طرح کھلا دیکھا جس کی بلندی پر کبھی نہ مٹنے والے اور نمایاں حروف میں لکھا ہوا تھا "مَن لہ المولی فلہ الکل" دروازے کے ساتھ ہی زینے بنے تھے۔

ہم نے دروازے میں داخل ہوکر اللہ اکبر کہتے ہوئے پہلے زینے پر قدم رکھا۔ ہر زینہ دوسرے زینہ سے کسی قدر وسیع ہے پہلے زینہ پر تو پوری طرح قدم رکھنے کی بھی گنجائش نہیں۔

مگر جوں جوں آگے بڑھتے جاؤ
زینوں کی وسعت بھی بڑھتی جاتی ہے۔

یہ بلندی توحید افعال وصفاتی وذاتی کی طرح تینوں حصوں پر ختم ہوتی ہے۔ ابتداً چند زینے بنے ہیں اِس کے بعد ستانے اور دم لینے کے لئے ایک چھوٹا سا نفیس اور پُرفضا چمن بنایا گیا ہے پھر چند زینے بنے ہیں جن کے بعد پھر ایک جانفزا چمن واقع ہے پھر چند زینوں کے بعد ایک مرتفع اور خوشنما قصر نظر آتا ہے۔

ہم زینوں پر چڑھتے رہے، اور برابر چڑھتے رہے، دم چڑھ گیا۔ سانس پھول گیا مگر زینے ہیں کہ ختم ہی نہیں ہوتے۔ پہلا حصہ ہی طے نہیں ہوتا، تا بدگیرے چہ رسد۔

ان زینوں کی چڑھائی میں سب سے زیادہ عجیب بات یہ تھی کہ جب تک ہم کو صاحب قصر کا خیال رہتا تھا معلوم ہوتا تھا کہ ہم بلندی پر چڑھ رہے ہیں۔ اور جب کبھی اِس چڑیا کا خیال آجاتا تو معلوم ہوتا کہ ہم انہیں سیڑھیوں کے ذریعہ کسی غار میں اُتر رہے ہیں۔

یا للعجب، ایک ہی زینہ، ایک ہی سمت کبھی آسمان پر چڑھ رہے ہیں کبھی اسفل السافلین میں اُتر رہے ہیں۔

کب تک چلتے؟ کہاں تک چلتے آخر تھک کر انتہائے مایوسی سے ایک زینہ پر بیٹھ رہے۔ بیٹھے ہی تھے . . . . . کہ ایک دلکش اور مست و بیخود بنانے والا راگ راگ یا راگ جیسی کوئی آواز، آواز یا آواز جیسی کوئی چیز کان میں آئی

جس کا مفہوم ہم اپنی انسانی اور فانی زبان میں اِس طرح ادا کرتے ہیں

مشتاق تو ام از مدت ہا — اے دوست بیا اے دوست بیا
ما طالب تو، تو طالب ما — اے دوست بیا اے دوست بیا
ہاں رخش عزیمت جولاں کن — از جاں طلب جاناں کن
سعی ست از تو اتمام از ما — اے دوست بیا اے دوست بیا

آواز تھی، یا کسی شاہدِ غیبی کی غماز؟ خوش الحان پرندوں کے چہچہوں خوشنوا بلبلوں کے نغموں۔ فاختہ کی کوکو۔ قمریوں کی حق سرۂ موسیقی کے راگ راگنیوں سب سے الگ، سب سے جُدا، سب سے زیادہ سرور افزا، سب سے زیادہ وجد انگیز مسرت خیز۔ ساری مایوسیاں دور ہوگئیں ساری تھکن کافور ہوگئی جھٹ پٹ کھڑے ہو کمر کس کر، ہم نے آگے قدم بڑھایا۔

اب تو چڑیا کے تصور کے بال و پر یک قلم قطع ہوگئے اب تو صرف اس آواز والے، یا والی کی طرف اپنی پوری ہستی کے ساتھ کھنچ گئے، پاؤں کو پر لگ گئے۔ پروں میں طائرِ سدرہ کی قوت پرواز پیدا ہوگئی۔

چلے کھینچتے چلے، اُڑتے چلے ..... کہاں چلے؟ کدھر چلے؟ نہیں معلوم کہاں جارہے ہیں۔ خلائے محض کے سوا کچھ نظر ہی نہیں آتا۔ نہیں معلوم کس لئے جارہے ہیں، دل میں کوئی خاص آرزو بھی نہیں پائی جاتی۔

آخر، آخر، آخر دور، ہاں بہت ہی دور، عقل سے بھی دور وہم وخیال سے بھی دور چل کر، بند آنکھیں کھلیں۔ یعنی طاقت دید پیدا ہوئی۔

دیکھا ..... ہمہ تن چشم بن کر دیکھا۔

دیکھا کہ ایک سپید نورانی مسند نما گدڑی بچھی ہے، جس میں بڑی دیدہ ریزی سے گل کاری کی گئی ہے۔ چھوٹے چھوٹے چشم نما پھول بڑی خوبصورتی سے کاڑھے گئے ہیں۔

چشم نما پھول؟ نہیں چشم نما نہیں، بلکہ چشمان گل نما، دامن مسند میں جگہ جگہ ٹکی ہوئی ہیں۔

ہر آنکھ کسی عاشق منتظر کی طرح، کسی کے اِنتظار میں چشم براہ، زبان مژگان سے کسی کو، ہاں کسی غائب کو اِس طرح مخاطب کر رہی ہے۔

رستے میں تری پڑی ہیں لاکھوں آنکھیں قدموں میں تری گڑی ہیں لاکھوں آنکھیں
پیوند سمجھ رہا ہے تو، آ کے تو دیکھ گدڑی میں مری جڑی ہیں لاکھوں آنکھیں

خیال پڑتا ہے کہ ہم بھی ہمہ تن چشم بنے ہوئے اِس مخاطبت میں اُن تمام آنکھوں کے ہم زبان ہو گئے تھے۔

تمام آنکھیں دیدہ اِنتظار کو دام اُمید بنائے ہوئے یہی منتر یا تسخیر کا عمل پڑھتی رہیں یکایک ..... ان منتظر اور مشتاق آنکھوں کے عین وسط میں ..... دو برق پاش، نیم باز،

بڑی بڑی، رسیلی، نشیلی آنکھیں، یا دو نور کی پتلیاں بایں شکل (وجد وجد) واحد، واجد) یہ کہتی ہوئی برآمد ہوئیں۔

وہ پردے سے حسن جادو انہ نکلا　　دل ہاتھ میں لیکے اِک زمانہ نکلا

اے جوہریان عشق! لوٹو! لوٹو!　　برسوں کا دبا ہوا خزانہ نکلا

آنکھیں تھیں یا محبت کے دو ساغر؟ جن کی مستی کا اثر بغیر لئے دئیے پیئے تمام نظر باز آنکھوں کو مست و بیخود کر رہا تھا۔

ہیں صورت طور، نور والی آنکھیں　　ہم رنگ بلالؓ ہیں غزالی آنکھیں

وہ نور کی پتلی ہے اِسی پردے میں　　ہیں عین غلاف کعبہ کالی آنکھیں

نظر بازوں کے چھت پر لگے ہوئے دیدے کسی مقناطیسی اثر سے اُن آنکھوں کی طرف کھنچکر محو نظارہ ہو گئے۔ اِس نظر فریب نظر بازی کا منظر ہم نہیں کہہ سکتے کہ کب تک قائم رہا .... ایک سکنڈ، ایک منٹ ایک گھڑی، ایکسال، معلوم نہیں کتنا وقت گزر گیا؟ اور کب تک اُن لاکھوں آنکھوں کی نظریں اُن دو آنکھوں سے لڑتی رہیں اِس نظر بازی میں سب سے بڑھ کر حیرت انگیز یہ تماشا تھا کہ .... دیکھتے دیکھتے نظر لڑاتے لڑاتے ایک ایک آنکھ، تھوڑے تھوڑے وقفے سے اُن وسطی، اور بڑی آنکھوں میں

"در گداز ایں جملہ تن را در نظر

در نظر رو، در نظر رو، در نظر"

کہتی، اور ضم ہوتی چلی گئیں۔ ہر حلقۂ چشم "کل من علیہا فان"

کی تصویر دکھاتا ہوا غائب ہوگیا۔

اور آخر، ہاں سب سے آخر صرف، سب کو ایک دیکھنے والی، وہی دو آنکھیں ویبقیٰ وجہ ربک ذوالجلال والاکرام کی شان سے چمکتی ہوئی باقی رہ گئیں۔

فسبحان الذی بیدہٖ ملکوت کل شیئٍ والیہ ترجعون پاک ہے وہ ذات جس کے دست قدرت میں ہر طرح کی قدرت ہے، آخر تم سب اسی پاک ذات کی طرف لوٹنے والے ہو۔

ہر باطن کا ظہور ہے آنکھوں میں   پتلی ہے، کہ برق طور ہے، آنکھوں میں
آنکھیں جسے ڈھونڈتی ہیں خود سے باہر   وہ نور ہے، اور نور ہے، آنکھوں میں

ظاہر میں، اگرچہ تودۂ خاک ہوں میں   پر، صدر نشینِ بزم افلاک ہوں میں
اک، پاک وجود سے تعلق ہے مرا   کیونکر کہوں آپ کو، کہ ناپاک ہوں میں

آفاق کی گردشوں سے جی، سیر ہوا   نفسِ بدنفس، روح سے زیر ہوا
میں، کس چکر کے بعد، پہونچا، مجھ تک   سیدھے رستے میں بھی بڑا پھیر ہوا

چاول کی بوری

ہم ایک دفعہ، بنئے کی دوکان سے چاول خرید کر، مزدور نہ ملنے کی وجہ سے، خود اپنے کاندھے پر لادے ہوئے چلے جا رہے تھے۔ اُدھر سے چند نئے تعلیم یافتہ (بعض جینٹلمین فیشن، اور بعض اپنی شان مردانہ کو اُسترے کی سان پر چڑھائے ہوئے) آ رہے تھے۔ ہم کو دیکھ کر اُن میں سے ایک نے کہا۔

وہ دیکھئے امجد صاحب قبلہ تشریف لا رہے ہیں ذرا آپ کی شان تو ملاحظہ کیجئے۔ قہقہہ قہقہہ قہقہہ۔

اُن کی اِس مضحکہ انگیز ہنسی سے پہلے پہل تو ہمارے دل پر ایک بجلی سی گری، مگر ساتھ ہی اِس بجلی کی چمک سے اِس تاریک دنیا میں ایک ایسی تجلی نظر آئی جس نے چاول کی بُوری کو گرنے، اور ہم کو شرم سے زمین میں گڑنے سے بچالیا ——— وہ یہ کہ ———

جہاں کو ناز ہے ہستی پہ اپنی میں، اپنی نیستی پہ مر رہا ہوں
ملا ہے جب سے لطف خاکساری تنزل میں ترقی کر رہا ہوں

آخری کہانی

دلچسپ کبھی اپنی کہانی نہ ہوئی
اِک شخص کی ہم پہ مہربانی نہ ہوئی
جس سے بھی سُنو، ہر اِک یہی کہتا ہے
افسوس، ہماری قدر دانی نہ ہوئی

مجلس یہ نہیں مرثیہ خوانی کیلئے
دُنیا، نہیں اپنی کامرانی کے لئے
جب، "مَا قَدَرُوا اللّٰہَ" خدا کہتا ہے
کیا روتے ہو اپنی قدر دانی کیلئے

(سید احمد حسین امجد)

تصانیف امجد

ریاض امجد حصہ اول و دوم | حافظ شیراز کے صوفیانہ کلام کی دلکش تخمیس ہندی دوہوں کی درد بھری تضمین، حمد و نعت کا لطف دعا و مناجات کا ذوق حاصل کرنا ہو تو ان حصوں کو ضرور ملاحظہ کیجئے قیمت فی حصہ (عہ)

رباعیات امجد حصہ اول و دوم | رباعیات امجد کیلئے امجد کا نام ہی کافی ہے قیمت فی حصہ عہ

خرقۂ امجد یعنی پیوند | ایمان کی سرد مہری کے وقت اوڑھنے بچھانے کے کام آتا ہے، اس کا مطالعہ انسان کو انسان، اور مسلمان کو مسلمان بناتا ہے قیمت (عہ)

(۶) نذر امجد | ہجرت نبوی کے حالات وصل و فراق کے کیفیات بوڑھوں، بچوں عورتوں سب کے لئے دلچسپ ہے قیمت ۶ر

(۷) حج امجد | بقول رسالہ معارف یہ کتاب حج و زیارت و مجازی تاثرات کا دلپسند مرقع ہے قیمت ہمار

(۸) جمال امجد | بقول رسالہ معارف اس کتاب سے ذوق ادب کی تشفی ہوتی ہے اور کاہش دل کی تسکین (سے)

(۹) میاں بیوی کی کہانی امجد کی زبانی | اس کتاب میں بیوی نے اپنی ہی مثال قائم کرکے اپنے میاں کو بھی عبدیت پڑھایا ہے قیمت ۳ر

(۱۰) حکایات امجد | اس کتاب میں روزمرہ زندگی کے واقعات سے جو نصیحت خیز عبرت انگیز نتائج قطعات و رباعیات میں بیان کئے گئے ہیں ان کی خوبیاں ملاحظہ سے واضح ہو سکتی ہیں قیمت ہمر۔ مجموعی قیمت للعہ ہوتی ہے لیکن پورا سٹ عہ میں دیا جاتا ہے۔

ملنے کا پتہ

عماد پریس چھتہ بازار حیدرآباد دکن۔ کاغذی گوڑہ درویش منزل مکان نمبر ۳۹۹۵